

**BROWN
BOOK ONLY**

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224117

UNIVERSAL
LIBRARY

د ۳۶۵ ل ۱۹۱۵
تہذیب الاخلاق -

۷۴۶

تہذیب الاخلاق مرتبہ مشاف

حیدر علی خان
طراپور
۱۹۱۵

OUP—380—5-8-74—10,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۷۴.۵ Accession No. ۷۷۴۶

Author تہذیب الاخلاق -

Title تہذیب الاخلاق مرنہ مشتاق حسین ویر.

This book should be returned on or before the date marked below.

حسب ضابطہ رجسٹری ہو گئی ہے

جلد چہارم

تہذیب الاخلاق

یعنی مجموعہ مضامین

جناب نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین صاحب

مستر سید محمد صاحب بیرٹراہٹ لاہور

مولوی خواجہ الطاف حسین حالی و مولوی محمد کاظم صاحب شمس العلماء

فار قلیط صاحب

مندرجہ تہذیب الاخلاق ہفت سالہ

از ابتداء ۱۲۹۴ ہجری لغایت ۱۲۹۳ ہجری مع دیباچہ

ملک فضل الدین ملک چن الدین ملک تاج الدین لکھنؤی تاجران

نقشبندیہ کویچہ کچہ نئی بازار کشمیری

لاہور

ت. ۱۹۱۰ء
تہذیب الاخلاق

دُبَاچَہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تہذیب الاخلاق کی اشاعت کی ضرورت

جن لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب اخلاق ناصری پڑھی ہے وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کیا کتنا سچا اور حکمائے کرام و علمائے عظام کی مجلس میں وہ کس عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اخلاق ناصری کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہم ان کو بتائے دیتے ہیں کہ آج سے قریباً نو سو برس پیشینہ ترکستان کے شہر نئے میں جو ایک حکیم فاضل اور استاد کامل ابو علی مسکویہ خازن رازی گزرا ہے۔ یہ اس کی تصنیف ہے۔ اس کتاب نے مضامین کی عمدگی۔ بیان کی خوبی۔ زبان کی اسلوبی کی وجہ سے ایسا حسن قبول حاصل کیا تھا۔ کہ خواجہ نصیر جیسے شخص نے جو اپنے زمانہ کا ایک نامور عالم اور مشہور فاضل تھا جب قستان کے حاکم امیر ناصر الدین عبدالرحیم کی پاس حاضر کتاب اخلاق ناصری مرتب کی تو فن اخلاق کے متعلق صرف اسی کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کیا اور کسی جدید کتاب کے تصنیف کرنے کی ضرورت نہ سمجھی ۴

جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی۔ اسلامی سلطنت کا آفتاب نصف النہار پر چمکا ہوا تھا گھر گھر علم و فضل کا چرچا تھا۔ رعایا اس کو ترقی و مدراج کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ حکام اپنی سلطنت کی زیب و زینت کا باعث تصور کرتے تھے۔ اور تو اور صرف ابو علی سینا اور ابوریحان برہوقی اس حکیم کے ہم عصروں میں دعایہ باکمال ہو گزرے ہیں جن کا نام ایشیا اور افریقہ کی اسلامی قوموں میں عموماً اور یورپ کے تہذیب یافتہ ملکوں میں خصوصاً نہایت عزت اور توقیر کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خلقِ آدم اور

مفتوح قوم کی زبان۔ تمدن۔ معاشرت۔ علوم و فنون۔ حرفت و صنعت میں کسی قسم کی مغائرت نہ تھی اس واسطے حکیم مذکور نے اس امر کو کافی سمجھا کہ وہ اپنی کتاب میں صرف نفس ناطقہ کی صفات سے بحث کرے اور اُس کے فضائل اور ذائل کے بیان سے اُس کو مکمل کرے۔ لیکن اگر ابو علی ہمارے زمانہ میں ہوتا اور دیکھتا کہ فلاح اور مفتوح قوم کی زبان میں اختلاف۔ دونوں قوموں کے تمدن اور معاشرت کا طریق جُدا۔ ایک قوم کے علوم و فنون دوسری قوم کے علوم و فنون کے مقابلہ میں مثل تقویم پارینہ۔ حرفت اور صنعت کا یہ حال کہ تکلفات کی چیزیں تو بجائے خود رہیں۔ چاقو قینچی بلکہ سوئی دھانگہ تنگ و ہمارے روزمرہ کے استعمال کی چیزیں ہیں ہم اُس میں غیر قوموں کے محتاج۔ نوکیلاں حالات پر ممکن تھا کہ وہ علاوہ مضامین مذکورہ بالا کے ایسے مضامین بھی نہ کرتا جو قوم کو تاریکی جہالت کے تنگ گڑھے سے نکلنے اور ترقی کے نورانی میدان میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہوتے +

خدا کا شکر ہے کہ جب ایسی کتاب کی ضرورت پیش آئی تو اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے زمانہ کے مناسب حال ایک اُور ابو علی کو پیدا کر دیا۔ جو رسائی عقل اور صفائی ذہن کے باعث قوم کی ضروریات سے۔ زمانہ کی رفتار سے۔ ترقی کے موانعات اور اُسکی اصلاح کی تجاویز سے ایسا ہی گاہے جو ایک مصلح قوم اور بھی خواہ ملک کو ہونا چاہئے۔ وہ کون؟ آئریسل ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر تھے۔ سنی۔ اہلسنہ۔ آئی۔ ایل۔ ایل ڈی۔ اس مرد خدا نے جب سنیانوی زندگی میں قدم رکھا۔ اور قوم کی موجودہ حالت کو دیکھ کر معلوم کیا کہ یہی قوم ہے کہ ایک زمانہ میں علم و فضل۔ حرفت و صنعت تجارت و حکمرانی میں ترقی کر کے اعلیٰ درجہ پر پہنچی ہوئی تھی یا اب وہی قوم ہے کہ ترقیات کو اُس سے ایسی مغایرت ہے جو ایمان کو کفر سے۔ یا نور کو ظلمت سے۔ یا آبادی کو ویرانہ سے۔ تو ان حالات سے اُس کا جی بھرا آیا۔ اور ہمہ تن اُس کی حل مشکلات میں مصروف ہو گیا۔ اور جو کچھ ہو سکتا تھا برسوں اُس پر سوچا کیا۔ دل اور دماغ سے۔ قلم اور زبان سے۔ مال اور جان سے جو مدد مل سکتی تھی وہ ساری اُس پر صرف کر دی۔ اور آخر کو ایک سوسٹنی قائم کی۔ اخبار جاری کیا۔ علمی کتابوں کے ترجمے کر کے شائع کئے۔ مگر جب تھوڑے عرصہ کے تجربہ سے اُس کو معلوم ہو گیا کہ یہ تدبیریں موجودہ حالات کے لحاظ سے غیر نسلی بخش اور ناکافی ہیں تو فلاح قوم کے غرض اور اقبال مندی کا زندہ نمونہ دیکھنے کے واسطے لندن تک کا سفر اختیار کیا۔ اس کے حالات کو نظر عبرت سے دیکھا۔ اُس کی ترقی کے اسباب کو جانچا۔ پھر ان سب اسباب کا موازنہ اپنی قوم کے حالات سے کیا۔ اور اس تمام تر سفر کا نتیجہ یہ نکلا کہ ”جو قوم دوسری قوم کے ماتحت

رہ کر ترقی کرنا چاہیے۔ عزت اور آرام سے زندگی بسر کرنے کی خواہشمند ہو۔ غیر قوموں کے سامنے اولوالعزمی کا پھر برا بلند کرنا اُس کے مد نظر ہو اُس کو لازم ہے کہ فاتح قوم کی زبان اور اُن علوم کو سیکھے جو دنیا میں مفید اور یکارآمد ہوں۔ اور ایک قومی دارالعلوم قائم کرے جو اس ضرورت کے انصرام کا فیصل ہو۔

اب اس بزرگوار نے ہندوستان میں واپس آکر چاہا کہ جو تجارب عظیمہ اس لمبے چوڑے سفر میں حاصل کئے ہیں۔ قوم کو اُن سے آگاہ کرے۔ مگر قوم کو دیکھا کہ قومی سلطنت کا سایہ اُٹھ جانے سے علوم و فنون کی تحصیل چھوڑ بیٹھنے سے اُس پر ادبا چھا گیا ہے۔ خواب غفلت میں پڑی اینڈ رہی ہے۔ نہ سرسری پیکار سے اُس کی آنکھ کھلتی ہے اور نہ معمولی جھنجھوڑ سے کروٹ بدلتی ہے۔ تب ایک شیریں کلام۔ بلند آواز۔ آنکھ تھک طبیعت کو اُس پر متعین کیا۔ اس کی سیرلی آوازیں وہ غضب کی طاقت تھی کہ جس دل میں گئی جادو کی طرح اثر کر گئی۔ جس گھوڑے پہنچی مقناطیس کا کام کر دکھایا۔ سوتوں کو جگا دیا۔ مستوں کو ہوشیار کر دیا۔ مردہ تنوں میں روح پھونک دی۔ زندہ دلوں کو روح القدس کا اثر عطا کیا۔ وہ شیریں کلام کون تھا؟ مقدس تہذیب الاخلاق۔ جس کی اشاعت کا انتظام درمیش ہے۔

آہا! یہ وہی تہذیب الاخلاق ہے۔

جس نے مسلمانوں کی حسن معاشرت کا بیڑا اٹھایا۔

جس نے اسلامیوں کے اصلاح تمدن کا بارگراں اپنے ذمہ لیا۔

جس نے پاک مذہب سے رسم و رواج کے ادھام باطلہ کو دور کر دیا۔

جس نے دنیا کو بتا دیا کہ سچا اسلام ہر قسم کی دینی و دنیاوی ترقیات کرنے کو ہمہ وجہ آمادہ ہے۔

جس نے غیر مذہب والوں پر ثابت کر دیا۔ کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانی فطرت کے

مطابق ہے۔

جس نے عام و خاص پر ظاہر کر دیا۔ کہ مصلحان بنی آدم میں سے جس کی شریعت دنیا کی زندگی

کے ساتھ وابستہ ہے وہ بنی عرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔

اں کتاب تو ایسی ہی ہے۔ مگر اب کہاں۔ کچھ تو پہلے ہی گنتی کے نسخے چھپا کرتے تھے۔ اور

اب بیس برس کی مدت نے اُس کو آؤر ناپائید کر دیا۔ اگر کہیں اتفاقیہ بکتی ہوئی مل بھی جائے۔ تو پھر

عام کو اس کی خریداری اور نفیس طبائع کو اس کی گرانہاری۔ متغذّر۔ غریب آدمی بمثل روپیہ
کہاں سے لائے۔ اور امیر آدمی اس کی سات جلدوں کی ورق گردانی کا کس طرح متعل ہو۔ پس
سہولت اس کی مقفنی ہوئی ہے۔ کہ کل اولڈ اڈیشن (عقد عتیق) پانچھتوں میں شائع کیا جائے
اور ہر حصہ کی قیمت دو روپے قرار پاوے۔ ترتیب مضامین کے لحاظ سے تفصیل حصص
یوں ہے :-

پہلے حصہ میں نواب محسن الملک محسن الدولہ مولوی سید ممدی علی خاں صاحب بہادر فیروز
نواز جنگ کے مضامین۔ قیمت تین روپیہ (تھے) +

دوسرے حصہ میں عیاجاب انزیریل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر تھے۔ سنی۔ ایس۔ آئی
کے کل مضامین قیمت تین روپے (تھے) +

تیسرے حصہ میں نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چرخ علی خاں صاحب بہادر مرحوم کے
مضامین۔ قیمت (عبد) +

چوتھے حصہ میں نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین۔ سید محمد محمود۔ مولوی الطاف حسین
حالی۔ فاروقیٹ اللہ شمس العلماء مولوی محمد ذکار اللہ وغیرہ صاحبان کے مضامین۔
قیمت (۱۲-۰) +

خادم قوم

فاکسار ملک فضل الدین گلے زنی تاجر کتب قومی و مالک اخبار اشاعت

لاہور۔ بازار کشمیری

مضامین مولو مشتاق حسین صاحب انتصاب رجنک بہار

ہمیت جدیدہ

ہمیت جدیدہ اور معجزہ قرآنی

جس وقت ماہیت موجودات کے بحث کی جاتی ہے اُس وقت میں یہ کہنا بالکل فضول ہوتا ہے کہ متقدمین نے اُسکی نسبت ایسا اور ایسا کہا ہے خواہ اُن متقدمین میں کوئی بڑے سے بڑا حکیم اور نہایت سے نہایت دانا ہی کوئی کیوں نہ ہو علیٰ ہذا القیاس ایسے مقام پر نہ کسی مفسر کا قول معتبر ہو سکتا ہے کسی محدث کا اور جنک علم مناظر اور ہی کے ذریعہ سے اثبات موجودہ کی حقیقت کو ثابت یا باطل نہ کر دیں تب تک ب ہا نیکا موقع بھی نہیں ملتا اور یہ ایک ایسا مسلمہ اصول ہے کہ متقدمین اور متاخرین اہل اسلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمیع کا عند لاء برابر اسی پیدائش کا کہ اگر بعض آیات قرآن شریف اور احادیث کے ظاہری اور لغوی معنی ہادی النظر ہیں اُن کو صورت محسوسات اور موجودات کے خلاف معوم ہو تو اُنہوں نے ان آیات اور احادیث کی تاویل ہی کی اور یہ نہ کہا کہ نہیں جناب باری نے یوں فرمایا اور نہ میں یہ آیا ہے اسلئے کہ ایسا کہنے میں اُن لوگوں کی نظروں میں جو موجودات کی ماہیت کو اچھی طرح تحقیق کرنا چاہتے ہیں نہ اسباب اہم کا ضعف ثابت ہوتا اور چونکہ اعمال کا ثمر و نیت پر منحصر ہے اور اُن تاویل کر نیوالے مفسرین کی نیت نہایت نیک تھی اسلئے خدا سے امید ہے کہ اگر کوئی غلطی بھی اُن سے کسی تاویل میں ہوئی تو اُس پر اُن سے مواخذہ نہ ہو گا۔ لیکن چند روزوں سے ہندوستان میں ہمارے مسلمان بھائیوں کا ایسا حال ہو گیا ہے کہ جو بات کسی مفسرین یا محدث یا فقیہ نے خود اپنی رائے اور اپنے قیاس سے کسی کتاب میں لکھی ہو یا وہ کسی ہی ضعیف کیوں ہو اور گورنامہ حال کی تحقیقاتوں کے لحاظ سے وہ کسی ہی خلاف قیاس کیوں ہو اور گورنامہ مفسرین اور محدثین نے غیر نے اُس سے اختلاف ہی کیوں نہ کیا۔ مگر مسلمانوں کی یہ جرات نہیں ہوتی کہ کسی موٹی کتاب کی لکھی ہوئی بات کے خلاف کچھ کہہ سکیں اور رفتہ رفتہ اُن کی احتیاط نے یہاں تک اُن کو مجبور کیا کہ مولود شریف وغیرہ کتابوں کا لکھا ہوا بھی اُن کے ایمان اور اعتقاد کا ایک جزو ہو گیا کسی کی یہ ہمت نہیں ہوتی کہ اُسکے خلاف کچھ کہہ سکے اور اگر کسی نے ایسا ارادہ کیا تو نتیجہ تکلف

کفر اور الحاد کے فتوے اُس سے منسوب ہوتے ہیں +

ہم دیکھتے ہیں کہ آئیاں کے علاوہ بہت ایسے علم ہیں کہ اُن کی تحقیقات اور تلاش اور محنت اور تکمیل کو خدا تعالیٰ نے بالکل انسان کی کوششوں پر متوی کھا ہے مثلاً ہیئت اور طبعیات وغیرہ صدا علم اسی قسم کے ہیں جن کے واسطے آج تک کوئی نبی اُن کی تعلیم کے واسطے مبعوث ہوا نہ کوئی کتاب اس فن خاص میں خدا تعالیٰ نے آج تک کسی نبی پر نازل کی قرآن شریف میں یا حدیث میں ہیئت یا طبعیات کے متعلق کہیں کسی چیز کا نام آگیا کہیں سبیل نہ کرہ اور کہیں عام لوگوں کے فہم کے لائق کسی چیز کا کوئی مختصر بیان ہو گیا کہیں کوئی مجمل اشارہ کسی چیز کی طرف ہوا اور حاشا کہ کسی مقام پر بھی اُن بیانات کے یہ بات مقصود بالذات مد نظر نہیں ہوتی کہ اُنکے ذریعہ سے عامہ خلائق کو ہیئت اور طبعیات کے علم کی تعلیم دی جاوے۔ کما قال اللہ تبارک و تعالیٰ۔ ویسلو ناک عن الاہلک یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگ تم سے مہینوں کی حقیقت دریافت کرتے ہیں اور پھر فرمایا کہ قل ہی مواقیت للناس یعنی کہد کہ مہینوں کے ذریعہ سے لوگ اپنے وقتوں کا حساب ٹھیک کر لیتے ہیں آج کسی اونے ہیئت دان سے اہلہ کی کیفیت دریافت کیجئے پھر دیکھئے کہ وہ کیسے مین اور آسمان کے قلابے ملائے ہے۔ حساب کے معاملہ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اُس وقت میں اُس پر فرمایا کہ ہم گنتی کو انگلیوں پر ٹھیک کر لیتے ہیں حال یہ کہ اُس وقت میں حساب یا حتی اور طبعیات وغیرہ کی طرف کسی کو مطلق التفات بھی نہ تھا +

یہ مسلمانوں کو مناسب ہے کہ اس نکتہ پر اچھی طرح غور کریں اور قرآن حدیث کو ہیئت و ہندسہ اور طبعیات کی واسطے میدان مناظرہ و قرار دیں اور حقیقت موجودات کو گذشتہ منقولات سے باطل کرنے کے خیال غام میں نہ پریں۔ اور جزا و ایلات مفسرین اور محدثین نے حقیقت موجودات کے باب میں وقت کی ضرورت کی تھیں اُن کو ہر وقت کی ضرورت کے لحاظ سے غور کی نگاہ سے دیکھیں اور جیسا اس میں شبہ نہیں کہ قرآن خدا کا کلام ہے یا سہی اس میں بھی شبہ نہیں کہ اللہ کا کلام کسی حقیقت نفس الامر کے خلاف بھی نہیں ہو سکتا اور بیشک مسلمان اگر تحقیق کلام فرماویں تو اُن کو اس بات پر فکر کیا موقع مل سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعہ سے اُن پر کیا کلام معجز نظام نازل کیا جس کا معجزہ ہر وقت میں تازہ ہے مندرجہ ذیل مثال سے اس دعویٰ کی بخوبی تصدیق حاصل ہوتی ہے +

جس وقت میں کلام اللہ نازل ہوا تمام دنیا میں یونانیوں کی ہیئت کے مسئلے جاری تھے کہ ستارے آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں اور آسمانوں کی حرکت کے ساتھ ستاروں کو بھی گردش رہتی ہے چنانچہ اب تک بھی مسلمانوں کی عربی تعلیم میں وہی مرغی کی ایک ٹانگ پڑھائی جاتی ہے اور اُسی ستاروں کی حرکت تابع حرکت آسمان ہونیکے باب میں شیکردوں پھر اور پوچ و لیلیں لائی جاتی ہیں اور جب کوئی نئی چال کا ستارہ

نیا دریافت ہوتا ہے اسکے لئے ایک بڑا مجسم فلک بغیر دیکھے بھا لے اور سمجھے بوجھے ماننا پڑتا ہے اور چونکہ زمانہ نزول قرآن میں کوئی شخص اس بات کا قائل نہ تھا اور نہ لوگ اس بات کو جانتے تھے کہ ستارے معلق ہیں اور نہ ایک انیس سے جدا جدا دورہ طے کرتے ہیں اسی واسطے قرآن شریف میں کہا کہ ستاروں کی گردش کا کوئی اتفاقہ ذکر آگیا مفتقرین نے اسکی تاویل اُسی مروجہ ہیئت کی تطبیق کی نظر سے کی اور مجبوری اس بات کو تسلیم کیا کہ ستاروں کی حرکت اس موقع پر ذاتی مراد نہیں بلکہ اُن کی حرکت آسمانوں کی حرکت کے تابع ہے +

لیکن خدا غریق رحمت کرے مولوی عبدالقادر صاحب دہلوی کہ انہوں نے جب کلام اللہ کا ترجمہ لکھا اور اس مقام پر پہنچے وکل فی فلاح یسبحون^۱ تو یہ لفظی ترجمہ تحریر فرمایا کہ ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں پیرتے ہیں اور حاشیہ پر صاف یہ لکھا۔

ستارہ ایک ایک گھیرا رکھتا ہے اُسی اہ پر تیرتا ہے معلوم ہوا کہ ستارے آپ چلتے ہیں یہ نہیں کہ آسمانوں میں گڑے ہیں اور آسمان چلتا ہے نہیں تو پیرنا نہ فرماتے +

اور اس طرح پر تمام تفسیروں کو بالائے طاق رکھ دیا اور یونانیوں کی ہیئت کے ایک ٹسے حصہ کو اپنے خدا کے سچے کلام کے سامنے پس پشت ڈال دیا اور اُن تمام مباحثوں کو بھی ختم کر دیا جو اس مقام پر ایک سجا تاویل کے سببے اُستادوں اور طالب علموں میں پیش آتی ہیں اور اس بات کی ہرگز پروا نہ کی کہ مسلمان مجھ کو اور مفیرین سے اختلاف کرنے کے باب میں کیا کہینگے +

اب اس باب سے قطع نظر کر دو کہ بطلمیوس نے کیا کیا فیساغورث کس طرف گیا بلکہ جناب باری کے کلام پر بغیر کسی تاویل کے تھوڑا تو کچھ شک نہیں ہوتا کہ مولوی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو معنی اور مطلب اس مقام پر بیان کیا وہ آیت کے کسی کچھ مناسبت رکھتا ہے بلکہ درحقیقت اُسکے سوا اور کچھ معنی اس آیت کے ہونے نہیں سکتے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ جدید ہیئت کہ تمام ستارے ایک ایک مرکز کے گرد گردش کرتے ہیں اور اپنا دائرہ پورا کرتے ہیں اور اُن کی حرکت کسی فرضی آسمان کے تابع نہیں ہے نزول قرآن سے بہت قندلس بعد شائع ہوئی ہے تو یہ بات بہت معافی اور استحکام کے ساتھ قائم ہوتی ہے کہ جو بات آج ہزاروں طرح کی دقتیں اُٹھا کر اوشکلا حل کر کے رکھ گاہیں بنا کر آلات درست کر کر بڑی بڑی جاکا ہیوں کے بعد انسان کو تحقیق ہوئی وہ ایک مدت دراز ہوئی جو خدا نے اپنے بنی برحق سے اور اُن کے واسطے سے تمام مسلمانوں سے صاف صاف ارشاد فرمادی تھی اور جسکی صحت اور اصلیت سے یونانیوں کی مغالطہ وہی کے سبب سے ہم نا واقف تھے پس یہ ایک بڑی سند اس بات کی ہے کہ جس خالق نے ستاروں کو اور انکی گردشوں کو پیدا کیا اُسی کا یہ پاک کلام ہے جو اُسکے بنی

پر نازل ہوا اور بیشک خدا کا کام اور خدا کا کلام مخالف نہیں ہو سکتا اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ یہ قرآن شریف کا کیا معجزہ ہے جس سے مسلمان درگناہ کسی مذہب کا انصاف درست آدمی بھی انکار نہیں کر سکتا +
جس غرض سے ہم نے اس مضمون کا لکھنا شروع کیا تھا اس کو ہم بالفعل اسی پر ختم کرتے ہیں لیکن ایک اور نہایت عمدہ نصیحت جو ہم کو اس مضمون کے لکھنے سے چل ہوتی ہے اس کے ظاہر کرنے سے بھی ہم باز نہیں رہ سکتے +

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں جس میں ہم موجود ہیں لوگ تفسیر وغیرہ کے ایک قحط بھی تجاوز کر نیکیو معصیت یا قریب معصیت سمجھتے ہیں اور پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مولوی عبدالقادر صاحب نے خدان کو اپنے جوارح میں جگہ عنایت کر کے اتنا بڑا اختلاف کیا اور ایک ایسے مسئلہ کو توڑا جو بہت سی صدیوں سے مسلم اور متفق علیہ چلا آتا تھا اور بالینہ میاں صاحب مرحوم کا کسی کوشاکی نہ پایا تو ان نیک نیت مسلمانوں کی کوششوں کی ناکامی پر افسوس ہوتا ہے جو زمانہ حال کی تحقیقاتوں کے لحاظ سے اسی قسم کے اور خیالات رکھتے ہیں اور لوگوں پر اصل حقیقت کا مشکف کرنا چاہتے ہیں پس ہر طرح کی فکر اور غور کے بعد ہم کو کچھ کچھ ہر ایک فریق کی کارروائی میں قصور معلوم ہوتا ہے ہمارا کام تو حقیقت میں یہ ہونا چاہئے کہ جو بات ہم کسی سے نہیں اس کو انصاف کی نظر سے دیکھیں اور تعصب اور پابندی رسوم بجا کے لحاظ سے اس سے متنفر نہ ہوں +

مرد باید کہ گیر داند رگوشش ورنوشتنت پندبر دیوار

لیکن اس میں بھی شبہ نہیں اور درحقیقت ایک قدرتی بات سی ہو گئی ہے کہ ناصح کے چل وچل کو بھی نصیحت کے موثر غیر موثر ہونے میں بڑا دخل ہے پس ان لوگوں کو بھی جو صدق دل سے مسلمانوں کو راہ صواب پر لانا چاہتے ہیں اور ہر وقت ان کی اصلاح اور فلاح میں مستغرق رہتے ہیں یہ بات نہایت ضرور بلکہ فرض ہے کہ اپنا برتاؤ بھی ایسا سنجیدہ کھیں جس سے عوام متنفر نہ ہوں اور خواص کو عمل شکایت نہ ہے اور یہ بات ایک مسلمان ناصح کو ہر طرح پر نصیب ہو سکتی ہے کہ جو باتیں خدا تعالیٰ نے اس پر مثل نماز و روزہ وغیرہ کے فرض کر دی ہیں جو عمدہ اصول مذہب اسلام میں ان کے واسطے ہزاروں لاکھوں مصلحتوں کے لحاظ مثل جمعہ اور جماعت وغیرہ کے قائم ہوئے ہیں ان کے ادا کرنے میں کاپی کو کام فراویں اور جو کچھ کہیں قرآن سے بغیر یا کاری کے کریں تاکہ خود بھی معصیت نہ پھیں اور جن عمدہ باتوں پر وہ اپنی قوم کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں اس میں کامیاب ہوں +

توکل

جن باتوں سے کسی قوم پر بار بار آتا ہے اور تمام ہمتیں پست اور قریں سست ہو جاتی ہیں ان میں جان عام

رسم مدح کی پابندی اور جاہان تقلید اور اپنے آپ کو ہموار اور سب سے برتر سمجھنا اور تعصب بجا اور اقداسی قسم کی خرابیاں شامل ہیں اُن میں ایک حضرت توکل بھی ہیں جن سے خداپناہ میں کئے آج کل عرف میں جس کا نام توکل ہے وہ ایک ایسی بیماری ہے جس کا مریض کبھی اچھا ہی نہیں ہو سکتا اور یہ دھڑیر ملا اثر داتا ہے جس کا گانا پانی نہ مانگے اچھا خاصا صحیح و سالم اور تندرست انسان جس کو خدا نے اشرف المخلوقات بنایا ہے توکل کی شامت کے دن بدن ایسا زار و خیف ہوتا چلا جاتا ہے کہ پھر اسکی اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہندوستان کے مسلمان بھائی بھی اس آفت میں مبتلا ہیں +

ہندوستان میں ہزاروں مسلمان ہر شہر اور گائوں میں ایسے ہیں کہ جب اُن سے مسلمانوں کی اصلاح اطوار و اوضاع میں اس غرض اور نیت گفتگو کی جاتی ہے کہ یہاں کے موجودہ مسلمان بھی کیوں اپنی ترقی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور کیوں ایسی کوششیں نہیں کرتے جیسے اُن کے اگلوں نے کی تھیں اور جو اب بھی اُن کے بھائی و معرا اور بڑ کی بلاد اسلام میں کر رہے ہیں اور جو خراب رسم و رواج ہندوستان کی قدیمی قوموں کی شامت اعمال سے اُن میں مل جل گئے کیوں ان سے کنارہ کش نہیں ہوتے تاکہ وہ بھی بنیاد میں ایک مذہب قائم کما دیں اور مرنے کے بعد اپنا مقدس اور پاک اور خالص مذہب اپنے ساتھ لے جاویں اور دونوں جہان کی بھلائی حاصل کریں تو ان سب تقریروں کا جواب یہی ملتا ہے کہ تم یہاں سب کہنے کی باتیں ہیں کسی کے کئے سے کچھ نہیں ہوتا خدا کو اگر منظور ہے کہ مسلمانوں کی عزت ہو تو ہر حال میں اُن کی عزت ہوگی اور اگر اُس کو ان کا ذلیل ہی کرنا منظور ہے تو لاکھ کوئی پیروی کرے مگر کیا ہوتا ہے اپنا توفضا پر توکل ہے +

اس میں کچھ شک نہیں کہ جیسا اُنہوں نے خیال کیا ہے ہو گا وہی - ع

بے رضائے تو یکے برگ نہ جھنڈ زور خست

لیکن چونکہ انجام کا حال کسی کو معلوم نہیں اور یہ بات بھی انسان پر فرض ہو گئی ہے کہ اپنے حال کی اصلاح میں جہاں تک ممکن ہو کوشش سے دریغ نہ کرے اس لئے اُن متوکلوں کا یہ گمان اس بات کے لئے کافی حجت نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی اور اپنے اور بھائیوں کی اصلاح حال میں بھی کوشش نہ کریں اسلئے کہ اس کا نام توکل نہیں ہے بالکل یہ محض ایک دھوکہ ہی ہو کہ ہے مسلمانوں کے مذہب میں ایسے توکل کی کہیں اصل باقی نہیں جاتی اور نہ خدا نے مسلمانوں کو ایسے لغو توکل کی اجازت دی توکل جو مسلمانوں کے مذہب میں ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی عقل اور طاقت کے موافق اپنے کاموں کی تدبیر کرے اور یہ یقین کرے کہ یہ تمام تدبیریں کا اگر اُسی وقت میں ہوں گی جبکہ خدا چاہے گا + ع

بر توکل زانوںے اشتربہ بند

انسان عالم اسباب میں پیدا کیا گیا ہے جہاں تمام کا آغاز اول سے آخر تک بالکل اسباب پر قائم ہے اور باوجود اسکے کہ خدا تعالیٰ جس کام کو چاہے بغیر اسباب کے موجود کر دیوے اُس کی عادت اس عام میں اکثر اسی طرح جاری ہے کہ تمام کاموں کی واسطے جو اُس کو کرنے منظور ہوتے ہیں مختلف اسباب پیدا کر دیتا ہے جسکی بے انتہا مثالیں ہر لحظہ اور ہر ساعت ہماری نظروں کے سامنے سے گذرتی چلی جاتی ہیں پس نہ تمام نظام عالم ہم کو اس بات پر مائل کرتا ہے کہ اس عالم میں ہم کو بھی جو کام کرنا ہو اول ہم اُسکے اسباب درست کر نیکی فکر کریں اور پراُسکے نتیجے کو خدا پر منحصر کریں آدمی کے تمام قوسے اور ترکیب اعضا اور حواس اور دل اور دماغ وغیرہ جس طرف خیال کیجئے سیاس بات پر شاہد ہیں کہ بے شک شبہ آدمی کو اپنے ہر کام کا سامان خود درست کرنا چاہئے اور ایسا نہ کرنے میں تمام وہ قوتیں عقلی اور جسمانی جو خدا نے انسان کو عطا فرمائی ہیں محض باطل اور غرور پر مبنی جاتی ہیں جس سے خدا کی صفات ناشکری نکلتی ہے پس بلا لحاظ اس بات کے کہ کل کو خدا کیا کرے آج ہم کو اپنے کاموں کے واسطے سامان درست کرنا چاہئے ۴

دیکھو باوجود اس بات کے کہ خدا نے اپنے سچے نبی کی زبان پر اس بات کا وعدہ فرمادیا تھا کہ لوگ کیسے ہی فراعلم کیوں نہ ہوں لیکن یہ مذہب امام شارق اور مغارب میں رُشن ہو کر رہیگا چنانچہ وہی آخر کار ہوگا۔ لیکن بائیں رسول خدا اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکے پھیلا نیس کسی کسی کو ششیں اور عرق پینا کیں اور کسی کسی کٹھن مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلیں جن کا بیان نہیں ہو سکتا اور جو تمام مسلمانوں پر بخوبی روشن ہیں پھر کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ اُن بزرگواروں میں توکل نہ تھا یا اُن کی یہ کوشش توکل کے منافی تھی نہیں ہرگز نہیں پس ہماری آرزو اور خواہش اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں سے یہ ہے کہ وہ اُس لغو توکل کو دل سے دور کر دیں جس کو شیطان نے لوگوں میں اُن کی ہمتیں اور قوتیں پست کر دینے کی غرض سے پھیلا دیا ہے اور سچا توکل اختیار کریں اور جو بات اُن کو اپنی دینا اور دین کی بھلائی کی معلوم ہو۔ اُس میں جتنے امکان جان و دل سے کوشش کریں اور تمام تر اپنی ہمتوں اور مالی و دینی کوششوں کو اُسی طرف مصروف کریں جس سے مسلمانوں کی قوم اور اُن کے مذہب کا تمام لوگوں کی نظروں میں ایک اعتبار اور وقعت پیدا ہو جاوے اور اسلام کی سچی شاعروں سے تمام ہندوستان منور ہو جاوے اور جس طرح اُنکے بھائی ٹرکی میں اور مصر میں قومی ترقی اور قومی فخر اور قومی عزت اور انتہا زحمت کرنے میں کوشش کر رہے ہیں وہ بھی اُس سے غافل نہ ہوں ۴

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً

وَقَاعِظُوا نَاصِبَ الْقَارِءِ آمِينَ ثَمَّ آمِينَ اللَّهُمَّ آمِينَ

آپ کام مہا کام

اپنے کرنے کے کام کو گورنمنٹ پر ڈالنا خوب نہیں

بلاشبہ ہر ایک شخص گورنمنٹ کا یہ فرض ہے کہ اپنی رعایا کے کاموں میں جہاں تک اُس سے ممکن ہو مدد کرے لیکن یہ ناممکن ہے کہ رعایا خود اپنی بھلائی کے کاموں میں مطلق کوشش کرے اور شریک ہو اور وہ تمام ذمہ داری گورنمنٹ کے ذمہ ہے اور گورنمنٹ اُس کا سرانجام کر سکے یہ بات کچھ ہندوستان ہی کی گورنمنٹ پر منحصر نہیں بلکہ تمام دنیا کی گورنمنٹوں کا یہی حال ہے اور درحقیقت خداوند تعالیٰ نے گورنمنٹ اور رعایا کو دنیا کے قدرتی انتظام کے بتاؤ کے واسطے مثل دوا مٹھوں کے بنایا ہے جس ملک کی رعایا ہر طرح پر شایستہ اور بریتیا اور اپنی عاقل گورنمنٹ کی خیر خواہ ہے وہ عین اپنی ہی خیر خواہی اور اپنی ہی آزادی اور آرام کی حفاظت ہے اُس ملک کی رعایا کی نسبت انصاف سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ملکی انتظام کا دھنبا بنتا ہے اور جہاں یہ بات نہیں ہے اور رعایا کو وہ لیاقت حاصل نہیں ہے جس قدر ترجیح گورنمنٹ کو دے جائے وہ سب بجا اور حق بجانب ہے چنانچہ ہندوستان کا حال بھی بالکل ایسا ہی ہو رہا ہے اور یہاں لوگوں کی طبیعتیں اس قدر پست اور ہمتیں اس قدر مست ہو رہی ہیں کہ خود اپنی بھلائی کے کاموں میں نہایت کم شریک ہوتے ہیں اور ہر قسم کے کام کا دار و مدار بالکل گورنمنٹ پر ہے تعلیم کا سنا زک معاملہ اور اہم مقدمہ لوگوں نے بالکل گورنمنٹ پر منحصر کر رکھا ہے۔ لکھنا سکھاؤ تو گورنمنٹ سکھاؤ۔ پڑھنا سکھاؤ تو گورنمنٹ سکھاؤ۔ شفا خانے گورنمنٹ قائم کرے زراعت کی ترقی کے وسیلوں کو صرف یہی نہیں کہ گورنمنٹ موجود اور مہیا ہی کرے بلکہ یہ امید کی جاتی ہے کہ گورنمنٹ اپنے آدمیوں کی معرفت ہی بل بھی چلوادے تخم ریزی بھی وہی کرے۔ آبپاشی بھی وہی کرے غلہ کو بھی گورنمنٹ ہی کاٹے وہی صاف کرے یہاں تک کہ وہی پیسے اور پکاوسے اور نوالہ بنا بنا کر منہ میں دیتی جاوے یہی حل علیٰ ہذا القیاس اور دستکاریوں اور ہنر و فنون کا ہو رہا ہے اگر کسی کو یہ دلولہ ہوتا ہے کہ اس ملک کے باشندے بھی اور ملکوں کی سنی شکاریاں سیکھیں تو ساتھ ہی دل میں نیچہ اہش اور گورنمنٹ کی طرف سے ذہن میں یہ شکایت پیدا ہوتی ہے کہ گورنمنٹ ہماری تعلیم کے لئے ایسے مدرسے اور کارخانے کیوں قائم نہیں کرتی جن میں اس قسم کی تعلیم ہو۔ چھاپہ خانوں کی ترقی اور انکا استحکام اباسی پر رہ گیا ہے کہ گورنمنٹ ہی کتابیں خرید کرے اور گورنمنٹ ہی اخبار مول لئے غرض کہ ہندوستان یہاں ہر دوست ہمارا دوست کا مصداق لوگوں نے ٹھیک ٹھیک اور بلا تشبیہ گورنمنٹ کو قرار دے رکھا ہے اور گوہم

بلکہ گزرا سی تمام تسلیم کرتے ہیں کہ گورنمنٹ نے جہاں تک ممکن ہو ان کاموں کو معدی سپہ و حقی الامکان اپنے فرض کو ادا کیا ہے لیکن پھر آخر کہاں تک گورنمنٹ کی آمدنی محدود ہے اس لئے وہ مجبوری اسی قدر ذمہ داری کر سکتی ہے جہاں تک اُس سے ممکن ہے نہ اُس سے زیادہ ۔

اس بات کو بخوبی سمجھ لینے کے واسطے کیسی عمدہ ایک مثال حال ہی کے زمانہ کی موجود ہے کہ ایک سال گورنمنٹ نے یہ سمجھ کر اہل ہند کا انگلستان میں جانا اور تعلیم پانا نہایت عمدہ بات ہے اور اہل ہند کے لئے جو خود اپنی فلاح کے کاموں سے بے خبر ہیں نہایت نفع ہے چاس ہزار روپیہ سالانہ اس غرض سے منظور کیا کہ اُس صرف سے نو آدمی ہر سال مختلف علاقہ ہائے ہندوستان سے انگلستان کو تعلیم کے لئے جاویں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جو عمدہ نتیجہ اُس سے ظاہر ہوا وہ ظاہر رہنے اور کاش اگر چند برس بھی قیام اور جاری رہتا تو ہر اونے اور اعلیٰ اُس کے فائدوں کی قدر کو بخوبی پہچاننے لگتا لیکن گورنمنٹ اپنے مقصد سے زیادہ کام نہیں کر سکتی آئندہ برس میں اُس کی آمدنی نے اس خرچ کے لئے کفایت نہ کی اور لاچار اس نے چند روز کے لئے یہ قاعدہ توڑ دیا ۔

علاوہ اسکے یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ گورنمنٹ نے ہر طرح رعایا کی بہبودی کے کاموں کے قیام کرنے میں کوشش کی لیکن چونکہ رعایا اُس میں خاطر خواہ شریک نہیں ہوئی اس لئے یہ کہنا کچھ نامناسب ہوگا کہ گورنمنٹ کو ان کاموں میں جیسی چاہئے تھی ویسی کامیابی حاصل نہیں ہوئی گورنمنٹ نے در سے بنائے شفاخانہ قایم کئے ٹیکہ کا محکمہ گورنمنٹ نے قایم کیا لیکن لوگوں کی کوشش اور رعایا کی مدد اسکی طرف کافی نہ ہوئی اعلیٰ ہذا القیاس انہیں باتوں پر اور باتوں کو قیاس کر لینا چاہئے ۔ شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کاموں کا کمال طور پر نافع نہ ہونا رعایا کی نا فہمی اور تعصب اور جہالت وغیرہ کا سبب ہوا لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ جہالت اور تعصب بھی رعایا میں اسی واسطے پیدا ہوا اور ترقی کو پکڑ گیا کہ ان کاموں کے شروع ہونے میں رعایا کی شرکت اور مشورت نہ تھی اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ اگر رعایا ان سب کاموں میں شریک و مشوہ کار ہوتی یا خود ان کاموں کو شروع کرتی اور اُس کا ولولہ بھی ان کاموں کی طرف لگا رہتا تو یہ تعصب وغیرہ جواب پیدا ہوا ہرگز نہ پیدا ہوتا پس غور کرنا چاہئے کہ ایک کام جو نہایت عمدہ سمجھ کر گورنمنٹ نے بلا شرکت رعایا کے شروع کیا اُس میں صرف یہی ناکامیابی نہ ہوئی کہ نہ کثیر صرف ہو گیا اور بڑی بڑی کوششیں بیکار ہو گئیں بلکہ اہل ہند کی تربیت کا زمانہ دراز ماتھے سے جاتا رہا ان تمام واقعات سے ایک بہت اچھی نصیحت ہمارے واسطے یہ پیدا ہوتی ہے کہ جو کام ہم کو آؤروں کی بھلائی کے واسطے شروع کرنا ہو ضرور اُنہیں لوگوں کو بھی جس طرح ہو سکے شریک کر لینا چاہئے جن کے نفع کے واسطے وہ کام شروع کیا جاوے ۔

اس مقام پر ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم اس ناکامیابی کے الزام کو گورنمنٹ کی طرف منسوب کریں بلکہ ہمارا غرض اپنے اہل وطن سے یہ ہے کہ اگر وہ خود اپنی فلاح کے کاموں میں توجہ نہ لیتے اور سارا دار و مدار اپنا گورنمنٹ ہی پر رکھیں اور گورنمنٹ نہایت نیک نیتی سے حتی الامکان ان کی بھلائی میں کوشش بھی کرے لیکن ان کی پوری بھلائی اُسکے ذریعہ سے ناممکن ہوگی +

جب ہم یہ بات اور ثابت کر چکے کہ ہر گھنٹہ اُسی قدر توجہ کی تحمل ہو سکتی ہے جس قدر بوجھ اٹھانے کی اُس میں طاقت ہے تو یہ بات بھی ضرور ہے کہ جب نئے نئے بوجھ جس میں بہت سادہ خود رعایا کو اپنے اوپر اٹھانا چاہئے تھا صرف گورنمنٹ پر ڈالے جاوینگے تو بلاشبہ گورنمنٹ کو بھی اُسی قدر اپنی طاقت بڑھانی کی فکر ہوگی مثلاً اگر اپنی تعلیم کا بندوبست ہندوستان کی رعایا خود آپ کر لیتی تو گورنمنٹ ہرگز ان سے تعلیم کا چندہ طلب نہ کرتی۔ گورنمنٹ کوئی سونے کی کان نہیں ہے کہ جتنا سونا اُس میں سے چاہو کھودو اور اُس میں کمی ہی واقع نہ ہو وہاں تو گنتی ہوئی بوٹیاں اور نپا شو باہے روز کا کٹواں کھودنا اور روز کا پانی پینا ایک سال کی آمدنی دوسرے سال کے لئے بھی پس انداز نہیں ہوتی بلکہ جس قدر آمدنی میں کمی ہوتی ہے کسی نہ کسی سبیل سے عیاں ہی سونے صول کی جاتی ہے اور انہیں تنوں میں سے تیل نکالا جاتا ہے ایک نہایت مدبر کا قول ہے کہ اگر شاہی خزانہ پر کچھ خرچ ڈالنا چاہتے ہو تو پہلے تم اُس روپیہ کو خزانہ میں کھ لو پس ان حالات کے لحاظ سے بھی یہ کون خبری کی بات ہے کہ جو کام خود ہمارے کر نیکے ہیں ان کو ہم خود نہ کریں اور گورنمنٹ سے اُس کے انجام دینے کی درخواست کریں روپیہ کا روپیہ اپنا ہی صرف ہو اور تربیت یافتہ قوموں کے نزدیک تالیق کے مطابق ٹھہریں یکے نقصان مایہ و دیگرے شہادت ہما یہ اور قطع نظر اس کے جب کوئی ایسا کام گورنمنٹ کی معرفت انجام ہوگا جو ہم کو خود کرنا تھا تو ضرور ہمارے اختیارات اُس میں کم ہو جائینگے اور اُس وقت ہم کو اور ایک قسم کی مشکل پیدا ہوگی غرض جس پہلو پر دیکھئے ہمیشہ ہم کو اپنے کر نیکے کام اُوروں پر ٹالنے سے سوائے ناکامیابی اور بے سود رسوائی کے کوئی اور نتیجہ پیدا نہ ہوگا اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ جس کام کو خود ہم کر سکتے ہیں اور خود ہم کو کرنا چاہئے اُس کو دوسروں پر ٹالتے رہنے سے ہماری ہمتیں بھی پست اور مست ہوتی جاتی ہیں اور مذہب قوموں کے نزدیک ہم اپنے ایسے ہی ایسے افعال سے ن بدن ذلیل ہوتے جاتے ہیں +

دیکھو جب ہم بازاروں میں یا عام گزرگاہوں اور سڑکوں پر گزرتے ہیں اور موٹے موٹے فقیر کو پٹتے ہیں تو ہم کو ان کی بیلا لائق حرکت کیسی بُری معلوم ہوتی ہے اور ہم ان کو کس حقارت سے دیکھتے ہیں ہی حال ہمارے گورنمنٹ اور اُسکے مذہب و مصلحت اور تربیت یافتہ قوموں کے نزدیک ہمارا سمجھنا چاہئے کہ باوجود خود ہر قسم کی مقدت رکھنے کے پھر ہر کام کا مار گورنمنٹ ہی پر رکھتے ہیں +

بلاشبہ ہندوؤں میں روز بروز اب لوگوں میں آپس کے اتفاق سے کام کر نیکاولولہ پیدا ہوتا جاتا ہے اور اس آخر قرن میں جو موجودہ زمانہ پر منتہی ہوتا ہے بہ نسبت اس صدی کے اور پچھلے قرون کے اس ولولہ کو بہت قوتی ہوئی ہے جا بجا سوسنٹیاں اور انجمنیں قائم ہوتی جاتی ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تمام کام جس ولولہ سے شروع ہوتے ہیں اس ولولہ کیساتھ اکثر غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں سبب انجام کو نہیں پہنچتے اور وہ غلطیاں اگرچہ ان میں ایک یا دو قسم کی ہوتی ہیں لیکن ان کے سبب سے رفتہ رفتہ اور دن بدن بہت سی غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں +

وہ غلطی جو اکثر ان کاموں میں ملتی ہے اول واقع ہوتی ہے یہ ہے کہ جو لوگ اس کام میں شریک ہوتے ہیں وہ اس کام کے بانیوں کی رعایت و مروت یا دنیا کی شرم و حیا سے شریک ہو جاتے ہیں اپنے خاص شوق سے شریک نہیں ہوتے اور اسی لئے چند عرصہ کے بعد لوگوں کو اس کام میں مدد کرنا وبال جان معلوم ہونے لگتا ہے روپیہ کے وصول میں وقت پیش آتی ہے لوگ توجہ کم کرنے لگتے ہیں کام سست ہو جاتا ہے اور اس کام کے بانیوں کی ہمتیں مجبوری پست ہو جاتی ہیں لیکن بچائے اسکے کہ استقلال کے ساتھ کوئی اور تدبیر معقول اُسکا استحکام کی عمل میں لائی جائے ایک اور غلطی اس کے سبب سے پیدا ہو جاتی ہے جس کے سبب سے اس نوبت کا ردوائی میں اس کام کے بانیوں کی طبیعت گورنمنٹ کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور جس غیرت اور حمیت کے ساتھ وہ کام بلا استعانت گورنمنٹ شروع کیا گیا تھا وہ سب بالائے طاقت دھرائے جاتی ہے اور تیسرے فائدہ پر مدار بھی حلال سمجھ کر مجبوری گورنمنٹ کے آگے بے تکلف ہاتھ پھیلانے پڑتے ہیں اگر گورنمنٹ نے اپنی معمولی رحمدلی سے اس وقت میں دو قسطو آپسے اس نیم سہل کام کی کچھ مدد کی تو کوئی دن کی زندگی اور نکل آئی ورنہ اناللہ وانا الیہ راجعون فاقہ خیر پڑھ کر اس کے بانیوں نے بھی اس کام سے ہاتھ کھینچا لیکن جو جان نازہ اس وقت میں گورنمنٹ سے کسی کام کو عنایت ہوتی ہے ایک وہ دائم المریض آدمی کی مانند محض بے حلاوت ہوتی ہے نہ اس طرف لوگوں کی اُمنگ اور نہ اس میں کچھ ترقی کی امید ہوتی ہے +

لندن میں عید الفطر کی نماز

اب کی مرتبہ لندن میں بھی عید الفطر کی نماز ہوئی۔ امام و مفتی سب مس آدمی تھے حافظ احمد حسن صاحب فیر جناب نواب صاحب بہادر سابق والی ٹونا کے نماز پڑھائی مقتدیوں میں سید محمود صاحب مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر کے صاحبزادہ اور مرزا خدا داد بیگ صاحب تحصیل علم کیواسطے لندن میں وارد ہیں اور اور لوگ شامل تھے پس بیک ایسی خبر ہے جس سے مسلمانوں کو نہایت خوش ہونا چاہئے +

جو عام اعتقاد مسلمان لندن جانے ہی کو خلاف شان اسلام سمجھتے ہیں وہ اب خیال فرمائیں کہ مذہب اسلام

نہ کہ جانے پر موقوف ہے اور نہ لندن جانے پر نہایت صحیح اور قلب استوار ہر مقام پر شرط ہے اب یہ وقت ہے ہندوستان سے روسا مسلمان ان تعصبات کو جو بعض غلط فہمیوں کے سبب اُن میں چلے آتے ہیں چھوڑ دیں اور اپنی اولاد کو اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرنے کے واسطے بنے نکلے انگلستان کو بھیجیں جیسا ترکی اور مصر کے مسلمان کر رہے ہیں۔ اطلبوا العلم ولو کان بصین +

شیریں زبانی

شیریں زبانی بھی انسان کے واسطے ایک نہایت عمدہ صفت ہے اور تہذیب انسانی کا ایک بڑا رکن ہے یہ وہ جوہر ہے جس کے ذریعے سے انسان بغیر استغانت زور اور زر کے دوسرے انسانوں کی طبیعت پر غالب آ سکتا ہے اور اپنے خیالات کو دوسروں کے ذہن میں بکھلا سکتا ہے فصاحت اور بلاغت بلکہ ہر قسم کے صنائع اور بدائع جو انسان کے کلام کے بڑے بڑے رکن ہیں اور جن کے سبب آدمی بڑا قابل اور بڑا فصیح اور ادیب یا لیک بہت بڑا شاعر ہو سکتا ہے ان سب کمالات کا صلہ اکثر اوقات صرف زبانی محو و ثنائے کافی طور پر ادا ہو جاتا ہے لیکن وہ کلام جس سے انسان کسی قدر کچھ کام نکال سکتا ہے اور دوسروں کو اُس کے ذریعے سے اپنی طرف متوجہ کر سکتا ہے وہ حقیقت اُس قسم کا کلام ہوتا ہے جس میں شیرینی ہو، میٹھا بولنا دشمنوں کو بھی مست بنالیتا ہے اور برخلاف اُس کے ننھی سے اپنے بھی بیگانے ہو جاتے ہیں اور بہت سے کئے کرائے کام بلیا میٹ اور گئے گزے ہو جاتے ہیں +

زبان شیریں انسان کی وہ ذاتی صفت ہے جو اُس کو ہر موقع پر ہر وجہ کے لوگوں کے ساتھ چھوٹا ہو یا بڑا اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، ہم قوم ہو یا غیر قوم، ہم مذہب ہو یا غیر مذہب، دوست ہو یا دشمن، امیر ہو یا فقیر، یکساں برتنی چاہئے۔ عمدہ ترین انسانوں میں وہ انسان ہے کہ جو لوگ اُس کو برا کہیں اُن سے بھی نہ نہایت نرمی اور ملامت سے کام کرے اور دوسروں کی جہالت اور ناشائستگی کے مقابلہ پر اپنی تہذیب کو ماتھے سے نہ جانے دے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے حکیم الطبع آدمی بعض اوقات اس انسانی حد سے آگے کو قدم بڑھا جاتے ہیں چنانچہ ہمارے بعض مسلمان بھائیوں نے کسی غیر مذہبی یا کسی خاص فرقہ کے مقابلہ پر جو کتابیں تحریر فرمائیں اُن میں بھی ان صاحبوں نے اس عمدہ صفت کو اکثر فرو گذاشت کیا ہے یہ سچ ہے کہ بعض اوقات کسی غیرت یا غصہ یا جوش میں آدمی کو اس بات کا خیال نہیں ہوتا لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ کسی قدر بلکہ اکثر اُس کا یہ بھی سبب ہوا ہے کہ اُن بزرگواروں نے کسی فضول اور غیر مذہب شخص کے مقابلہ پر یہی فضولی سے پیش آئے کہ وہ معیوب خیال نہیں کیا ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ عارضی غصہ یا جوش کتابوں کی صورت پر نہ کر ایک قوم کے اخلاق کا جزد ہو جاتا +

عہدہ غرض اور اعلیٰ مقصد ان تصنیفات کا یہ ہونا چاہئے تھا کہ جن کے سمجھنے اور قائل کرنے کی غرض سے وہ کتابیں تحریر ہوئی تھیں وہ ان کو انصاف کی نظروں سے دیکھتے مگر یہ جب ہی ہوتا ہے جب وہ کتابیں نامناسب الفاظ سے پاک مصاف ہوتیں اور طرز بیان ان کا نہایت شیرینی اور لطافت کے ساتھ ہونا حالانکہ اب ان کتابوں سے سوائے اسکے اور کوئی قایدہ بظاہر مرتب نہیں ہو سکتا کہ خود وہ مصنف یا ان کے اور چند ہم مذہب آپس ہی میں ان تصنیفات کو دیکھ کر خوش ہوں اور باہم ایک دوسرے کو واہ واہ اور مرجا کہیں پس کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ان معزز بھائی مسلمان مصنفوں نے اپنی نہایت عمدہ محنتوں اور تحقیقاتوں کو تنگی اور سختی کلام سے صرف خارج ہی نہیں کیا بلکہ ان محنتوں کو بالکل بیکار کر دیا اور اس سے بھی بڑھ کر جو نقصان مسلمانوں کو ان تصنیفات سے ہوا وہ یہ ہے کہ ہمارا اخلاق بھی غیر قوموں کے نزدیک ایسا ہی معیوب سمجھا گیا جیسا ہمارے نزدیک ان نامذہب لوگوں کا اخلاق تھا جن کے جواب میں بلکہ درحقیقت ان کے جلانے کے واسطے ہم نے یہ کتابیں لکھیں +

بھلا ان اہل تصنیفات سے جو یہ غلطی ہوئی اس کو نا سمجھی سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان تصنیفات کا حال جواب ترکی بہ ترکی ہے حالانکہ ہم کبھی اس جواب کو تسلیم نہ کریں گے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض وہ باہمت مسلمان جو اس بات کا بیڑا اٹھاتے ہیں کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی اصلاح میں جہاں تک ممکن ہو گا کوشش کریں گے اور اس لئے ان پر فرض ہے کہ جو صرف ان کے منہ سے نکلے اور جو لفظ ان کے قلم سے لکھا جاوے اس کے ہر ایک پہلو پر خوب غور کر لیں کہ اس سے کوئی ناحق کی نارضا مندی تو مسلمانوں کو نہ ہوگی ان صاحبوں کا بعض اوقات یہ حال ہوتا ہے کہ وہ بھی جاوہ اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں اور فطرت محبت اور جوش ہوا خواہی میں آکر بعض دفعہ ایسے نامناسب لفظ ان کی زبان اور قلم سے سرزد ہو جاتے ہیں جن پر عام لوگ پے نہیں لیجا سکتے اور ان عوام کے سامنے خواص کا تاویل کر تے کرتے تاکہ میں دم آجاتا ہے ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ناصح جتنا دلسوز ہوگا اسی قدر اس کی نصیحت کے فقرے تلخ ہوں گے لیکن ایک دانا ناصح یقیناً اپنے جوشوں کو ضبط ہی کریگا اور بلاشبہ وہ جس مطلب کو اپنے اچھے نطقوں میں بیان کر سکتا ہے ان کو بڑے نطقوں میں بیان نہ کرے گا +

ہم مسلمانوں کے اعتقاد کے بموجب ابتدائے آفرینش سے آج تک اس دنیا میں کوئی ایسا دانا اور دلسوز ناصح پیدا نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے جیسے ہمارے سول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے پھر دیکھو کہ اس خدا نے جو بڑی حکمتوں والا اور تمام مخلوق کے قلوب پر حاوی اور متصرف ہے اپنے سول سے اس معاملہ میں جس پر ہم یہ گفتگو کر رہے ہیں کیا ارشاد فرمایا ہے +

لہ قال تبارک وتعالیٰ۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والوعظۃ الحسنۃ وحاد لہد بالحق علی حسن

یعنی جن لوگوں کی اصلاح مد نظر ہے اگر فی الواقع اُن میں کوئی الزام کی بات ہے تو اُسکے بیان کئے مکافضائقہ نہیں لیکن طرز بیان ایسا ہونا چاہئے کہ اُس سے لوگوں کو آزدگی نہ ہو چنانچہ کچھ شبہ نہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کی تعمیل نہایت خربی اور خوش اسلوبی سے کی۔ تمام حدیث کی کتابیں اس کی شاہد حال ہیں کہ جو مطالب اُن میں بیان کئے گئے ہیں کیسے معتدل اور ملایم اور شیریں نطقوں میں بیان ہوئے اور گو یہ صحیح ہے کہ جن لوگوں کی قسمت میں ہدایت نہ تھی اُن کو ہدایت نصیب نہ ہوئی لیکن یہ الزام شاید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی نے نہیں لگایا کہ معاذ اللہ وہ مغلوب الغضب تھے یا اپنے جوش میں اگر ایسے سخت لفظ کہ جاتے تھے کہ سامعین کو ناگوار خاطر ہوتے تھے اور اس لئے وہ لوگ اُنکے ذریعہ سے ہدایت پانے سے باز رہے پس ہمارے مسلمان بھائیوں کو مناسب ہے کہ جو نہایت سچا اور عمدہ راستہ اُن کے بنی نے خود اختیار کیا اور اُوروں کو بھی اُسی پر چلنے کی نصیحت کی اُسی راستہ پر قائم رہیں +

اس بات پر بھی اچھی طرح غور کرنا چاہئے کہ ضلئے یہ مذکورہ بالا نصیحت اپنے ایسے بنی کو فرمائی تھی جن کو شر شیطان سے ہر طرح محفوظ رکھا تھا وائے بر حال ہم گنہگاروں کے کہ کسی بُری طرح سے اُسکے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں یہ اُسی شیطان کا فریب ہے کہ ہم کو کسی غیر مذہب یا ہم مذہب کے کسی نامذہب شخص کے مقابلہ میں لاکر ہم بھی ایسی حرکتیں کرنے لگتا ہے جیسی اُس غیر مذہب شخص میں تھیں اور پھر اُس کا نام ہمارے خوش کر نیکی غرض سے کبھی جواب ترکی بہ ترکی ٹھہراتا ہے کبھی اُس کو جواب مذاں شکن کے نام سے تعبیر کرتا ہے کبھی ہم کو ہماری ان بجا حرکتوں پر ثواب کا اُمیدوار کرتا ہے اور کبھی اُن غیر معتدل بلکہ نامناسب الفاظ کو جو ہم سے تقریر یا تحریر میں نہ بھیجی کی راہ سے سرزد ہوتے ہیں اپنی قوم کی فرط محبت سے منسوب کرتا ہے اور پھر خود ہی وہ آفت روزگار دوسروں کے دلوں میں ان الفاظ اور فقرات کے سببے ایک رنج پیدا کر دیتا ہے اور اس جیلہ وزیر گت سے باہم عداوت کرواتا ہے بڑے بڑے اتفاقوں اور محبتوں کو طرفۃ العین میں درہم برہم کر دیتا ہے اور بڑے بڑے بڑے عالی ارادوں کو جو عام کے فائدہ کی واسطے کئے جاتے ہیں بالکل پریشان کر دیتا ہے +

علم اخلاق میں یہ بات عقلاً اور نقلاً ہر طرح سے ثابت ہو چکی ہے کہ تعلیم اور نمائش ہمیشہ نرم نطقوں میں چاہئے اور اُس کے برخلاف کبھی وہ کارگر نہ ہوگی اور تمام عقلاً و روزگار اور انبیاء علیہم السلام کا عملہ راداسی پر رہا لیکن اکثر اوقات انسان اپنے جوش یا غصہ سے مجبور ہو جاتا ہے اور زور تحریر یا زور تقریر تمام مصلحت پر

۱۷ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بولا لوگوں کو اپنے رب کی راہ پر کی باتیں سمجھا کر اور اچھی طرح نصیحت کر کر اور

الزام دیکر ان کو جس طرح بہتر ہو۔ رکوع اخیر پارہ ۱۴ +

غالب آجاتا ہے چنانچہ ان شیطانی دوسوسوں اور آفتوں سے محفوظ رہنے کے واسطے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بنی کی معرفت ہم کو یہ ارشاد فرمایا ہے +

لَقَدْ قُلْنَا لِعِبَادِي يَقُولِ الْفَاسِقُونَ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا دَبَّكُمُ الْعِلْمُ بِكُمُ الْإِنْسَانُ بِحُكْمِهِ اِنَّ يَتَّبِعُ الْبُكَدُ +

کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کے ذہن میں یہ بات جم جاتی ہے کہ میں نے جو کچھ سمجھا ہے سب سچ سمجھا ہے اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اور کر رہا ہوں وہی بالکل سچ ہے اور اس لئے وہ اور آدمیوں کو جو اسکی رائے سے ناواقف یا برصاف سمجھتے ہیں خواہ مخواہ حقارت سے دیکھنے لگتا ہے اور اسی حقارت کی نظر سے کوئی کوئی سخت اور نامناسب لفظ بھی ان لوگوں کی نسبت اسکی زبان یا قلم سے نکلتا ہے اور یہ عمل رآمد بالآخر باہمی نزاع اور برتری کا سبب ہو جاتا ہے پس خدا تعالیٰ نے اپنے اس کلام پاک میں اس قسم کے خیالات کی بھی دکھانے کا نام فرمایا اور اشارہ کیا کہ ان باتوں کو تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے جس کا علم ہر طرح پر کمال ہے تم اپنے خیالات کے لحاظ سے ایک دوسرے کی نسبت ایسے نامناسب الفاظ نہ کہو جو باہمی بخشش کا سبب ہو جاویں اور شیطان کو جو ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہے اپنا موقع ہاتھ آوے اعمال کی بھلائی اور بُرائی پر جزا اور سزا دینا یہ خدا ہی کا کام ہے چنانچہ اور ایک مقام پر بھی خدا تعالیٰ نے اس کی تیسرے فرمائی ہے +

قُلْ كُلٌّ عِندَ اللَّهِ يَتَنَازَعُونَ فِي شَيْءٍ مُّذْ ذَرَأْتُمُوهُ اِنَّ لِلَّهِ عِلْمًا بِمَا تَعْمَلُونَ + فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدَىٰ سَبِيلًا +

پس میری غرض اور میرا التماس عموماً یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائیوں سے اور خصوصاً ان اہل ہمت سے جو علم کلام کے لوگ ہیں اور جو اپنی قوم کو اپنی عمدہ نصیحتوں سے منہب بنانا چاہتے ہیں یہ ہے کہ اپنے کلام کو درست ہو یا دشمن سے اعلیٰ سے ہو یا اونٹ سے نہایت شیرینی اور لطافت اور نرمی سے استعمال میں لاویں اور سخت اور سخت الفاظ سے جس قدر ہوسکے کنارہ کریں اور جو قانون کا رفاہ قدرت کے بنانے والے نے ہمارے لئے مقرر کر دیا اس کو اپنے کسی جوش و خروش کا تابع نہ کریں اور جو عمدہ اور نہایت عمدہ مذہب ان کو خوش قسمتی سے نصیب ہوا ہے اس پر بہت سچائی اور نیک بینی سے قائم رہیں کہ یہی سچی شائستگی ہے اور یہی سچی تہذیب ہے اور دونوں جہان کی ہر قسم کی خوبیاں سب اس میں موجود ہیں +

۱۵ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہدے میرے بندوں کو کہ بات یہی کہیں بہتر ہو بیشک شیطان جھڑپ کر دیتا ہے آپس میں بیشک شیطان انسان کا دشمن صریح ہے تمہارا رب بہتر جانتا ہے تم کو اگر چاہے تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تم پر عذاب کرے (پارہ ۱۵- رکوع ۱۵) +

۱۶ کہدے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر کوئی اپنی اپنی وضع پر عمل کرتا ہے سو یہ بات کہ کس نے اچھی راہ اختیار کی تیرا رب ہی خوب جانتا ہے (پارہ ۱۵- رکوع ۱۸) +

تقویٰ

وَحَيْرُ الزَّادِ التَّقْوَىٰ

ہمارے اخبار یکم دسمبر میں ایک مختصر فرسٹ ان مراتب کی چھپی تھی جن میں مسلمانوں کو تہذیب کرنا چاہیو لیکن میری دانست میں اس میں ایک بڑا امر فرو گذاشت ہوا یعنی تقویٰ جو مسلمانوں کی موردنی ملک ہے اور اب ہندوستان کے مسلمانوں میں پہلے زمانہ کی بہ نسبت اسکی نہایت کمی ہے اس زمانہ میں اکثر تقویٰ اتنی بات پر ختم ہوتا ہے کہ بچاؤ ٹخنوں سے بچاؤ رہے اور ناچ رنگ وغیرہ کی مجلس میں شریک نہ ہوں (خیر خدا اس کو بھی اور قائم رکھے) +

کسب حلال جس کی نسبت یہ کہنا بجا ہے کہ وہ ایک زمانہ میں مسلمانوں کا خمیر تھا اب اس کی طرف سے ایسی غفلت برتی جاتی ہے کہ خدا محفوظ رکھے۔ سو وہی شے جسکے لینے والوں کی نسبت مذہبوں ارشاد فرماتا ہے کہ "فَاذْلُجُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ" یعنی اٹھ کھڑے ہو نہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے واسطے اب وہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ہماری شامت اعمال سے ایسا عام ہو گیا کہ کھاتے پیتے مسلمان شایہ بیسی دس بھی اس بلا سے عالمگیر سے محفوظ نہ ہونگے اور روپیہ سینکڑوں کے سود سے نالاش عدالت میں کرنا یہ تو اب کچھ عجیب ہی نہیں، بارود وقت کی نماز قضا ہونیکا کبھی اتنا مال نہ ہو جتنا ایک سود کی نالاش دس مس ہونیکا بٹے بٹے موٹے موٹے حافظ اور بڑی بڑی نیچی ڈاڑھیوں والے مولوی جو دہلیت میں بھی ماشاء اللہ دم بھرتے ہیں اس فقرہ حرام کی چاٹ اور مال و دولت کی طمع خام میں مبتلا ہیں +

رونا تو اس بات پر آتا ہے کہ اپنی ان حرکات کے سبب کبھی ہاتھ پر سپینہ آوے مگر جب کسی مسلمان کو کسی اہل کتاب کے ساتھ ہم طعام دیکھیں تو حیمت اسلامی جوش میں آجاوے اور بغیر انوفا باندہ اور توبہ توبہ کے اس مسلمان کج بخت کا نام نہ لیں فاغنا بدو یا اولی الا بصار +

معاش کے اور ذریعوں کا بھی ہیٹل ہو رہا ہے۔ نوکر وں میں چوری اور رشوت زینداروں میں بددیوستانی و شوق سیاست۔ سود گروں میں دغا بازی اور عرق من و بدن ترقی پر ہیں جھٹکے بالقب سے لیکن سیرے نزدیک جیتک مسلمانوں میں سے یہ خیالیں اب بھی نہ ہونگی تب تک کبھی ان کی قوم کو بڑی ترقی اور ترقی نہیں ہوگی کیسے ہی چھوٹوں اور چھوٹا دار وختوں سے اپنے گھروں کو رشک کھنڈار اور کم سیوں نہ بنا دیں اور جاگت پتھون کیوں نہ بنیں اور نیز و کرسی پر چھری کا نٹے سے طلائی نفرنی نہایت شرافت اور جلال و باجگاہ

میں کیوں نہ کھاویں اور کیسا ہی اپنے طریق زندگی کو آجکل کی مذہب اور روشنفہر قوموں کی مانند اعلیٰ اور عمدہ کیوں نہ بناویں پس مسلمانوں کو چاہئے کہ اول اپنا تقویٰ درست کریں اُسکے بعد قومی ترقی کا نام لیں ورنہ ٹھیک اس آیت کے مصداق ہوں گے۔ "قل ھل ننبکم بالآخرین اعمالا الذین ضل سبیلہم فی الحیوۃ الدنیا و ھدیحسبون انھدیحسبون صنعاً" +

سید محمد محمود صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

سید محمد محمود صاحب مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر سی ایس آئی کے چھوٹے صاحبزادہ کا سالانہ امتحان کریٹک کالج یونیورسٹی لندن میں بڑی کامیابی کے ساتھ ہوا عام امتحان میں جو تمام علوم میں ہوا اُن کا نمبر دسواں رہا اور خاص انگریزی بانی دانی میں تمام کالج میں صرف ایک اور طالب علم اس قابل نکلا کہ اُسکے جواب اور سید محمد محمود صاحب کے جواب برابر وقت کے تھے اس لئے دونوں کا نام اول نمبر میں لکھا گیا باقی تمام طالب علموں سے سید محمد محمود صاحب اُن کی ملکی زبان میں فائق ہے + ج

بریں مژدہ گر جاں فشاں رواست

یہ ایک ایسی مبارک خبر ہے کہ اُسکے سبب نہ فقط مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر کو اور نہ صرف سید محمد محمود صاحب کے دوستوں ہی کو خوشی ہے بلکہ درحقیقت یہ ایک ایسی مبارک خبر ہے جسکے لحاظ سے تمام اہل ہند کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً خوش ہونا چاہئے جو عزت اور فخر سید محمد محمود صاحب کو اس موقع پر حاصل ہوا شاید اس سے پہلے کسی اہل ہند کو نصیب نہیں ہوا تھا یہ نام آوری اس نام آوری سے کچھ کم نہیں ہے جو فیضی اور ابو الفضل نے ایرانیوں کے نزدیک اُن کی خاص زبان فارسی کی قابلیت کے لحاظ سے حاصل کی تھی یہ ایک کافی وجہ ثبوت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کی طبیعتوں میں ابھی تک وہ مادہ باقی ہے جسکے سبب اُنہوں نے پہلے بہت کچھ شہرت اور نیانا میاں حاصل کی ہیں اور جسکے لحاظ سے غیر تو میں اُن کا نام تک بہت تعظیم اور ادب لیتی رہیں +

ہندوستان کے مسلمان بلاشبہ اپنی بدقسمتی سے نئے علوم فنون کے حاصل کرنے میں اپنے اور اہل وطن سے کچھ پیچھے رہ گئے ہیں جس کا نتیجہ اب تک بھی بہت ہی مضر ہو رہا ہے اور اگر یہی غفلت خدا نخواستہ چند روز اور رہی تو جس قدر مادہ مسلمانوں کی طبیعت میں ابھی تک موجود ہے اور جو شوق اور محنت بہت کچھ ترقی پاسکتا ہے وہ بالکل مٹا بیٹ ہو جاوے گا جن بادشاہوں کی لیاقت اور اذکار العزمی کی یادگار ہیں بڑے بڑے قلعے اور عمارتیں ہوئے زمین پر موجود ہیں اُن کی اولاد اب اسی قسم کی غفلتوں سے گھاس کھو دکھو کر اپنا گذارہ کرتی ہے اُنکے بڑاؤ و ننگ اور روغن اُن کی بول چال سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ لوگ کسی ایسے بڑے خاندان کی بقایا ہیں مسلمانوں کو

چاہئے کہ عبرت پکڑیں اور جو عمدہ موقع انکے واسطے خدا کی عنایت سے اب موجود ہے اُس کا شکر کریں اور اُس کا شکر یہی ہے کہ اُس سے فائدہ اٹھائیں اور اپنی اولاد کی طرف ہوشیاری سے متوجہ ہوں +

مسلمانوں کے علم کی ترقی ابتدا میں یونانیوں کے علوم سے شمار ہوتی ہے اور اب یورپ کی قوموں کے علوم ایسے کمال اور صاف طریقہ سے شائع ہوئے ہیں کہ اگر مسلمان غور اور دانائی کو کام میں لائیں تو یونانیوں کے علوم کی نسبت یورپ کے موجودہ علوم و فنون سے بہت زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جن قوموں سے ہم کو علم حاصل نیکی ضرورت ہے وہ ہماری خوش قسمتی سے خود ہم کو علم دینے کے واسطے آمادہ ہیں۔ کتابوں کی افراط چھاپہ خانوں سے درجہ کمال کو پہنچ چکی ہے اور پہنچتی جاتی ہے سفر کا ذریعہ ریل اور جہان نے بہت ہی سہل کر دیا ہے کوئی روک ٹوک سوائے اپنی کم مہمتی اور بیجا تعصبات کے باقی نہیں ہے پس ایسے وقت میں نہایت ضرور ہے کہ ہندوستان کے مسلمان رئیس اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم کے واسطے انگلستان کو بھیجیں +

ایک بڑا قوی مانع ہندوستان کے مسلمانوں کو اس ارادہ میں مذہبی نقصان کا خیال ہے اور بلاشبہ ہر عاقل مسلمان پر یہ فرض ہے کہ کسی ظاہری بڑی سے بڑی منفعت کے لحاظ سے اپنے مذہب کا تھوڑا سا نقصان بھی گوارا نہ کرے لیکن سید محمد محمود صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی کارروائی سے وہ شبہ بھی کامل طور سے ہٹا رہا ہے جہاں تک مجھ کو علم ہے میں نہایت اطمینان سے یہ بات بیان کرتا ہوں کہ سید محمد محمود کیمبرج کی یونیورسٹی میں تمام ممنوعات شرعی سے محترز ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں اور اچھے مسلمانوں کی مانند بہت خوشحالی سے بسر کرتے ہیں۔ اس کارا از تو اید و مرداں چنین کنند +

میرے نزدیک جو عزت سید محمد محمود صاحب کو اپنی علمی لیاقت کے سبب حاصل ہوئی اور آئندہ کامل طور سے حاصل ہونیوالی ہے اُس سے بہت بڑی عزت اور افتخار اُن کو خدا کی عنایت سے اُن کے عمدہ چال و چلن کے لحاظ سے حاصل ہوا ہے اللہم زد فزد +

اعتدال

انسان جس طرح تمام مخلوقات میں اشرف اور سب سے زیادہ منافع اور عقلمند پیدا ہوا ہے اسی طرح تمام دنیا میں شاید اُس سے زیادہ کوئی اور مخلوق حاجتمند بھی نہیں ہے انسانیت اور خوشی اور ایمان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے واسطے انسان کو اپنی اُس دشوار گزار منزل میں جو سکم اور سے شروع ہو کر لب گور پر ختم ہوتی ہے بے انتہا غصہیں اور ضرورتیں متعلق ہوتی ہیں اور وہ اکثر یا ہم ایسی مختلف ہوتی ہیں کہ اگر ایک مقصد کے حاصل کرنے میں مددین سے زیادہ کوشش کی جائے تو دوسرے مقصد کے فوت ہو جائیگا قوی اندیشہ ہوتا ہے

پس اُس مد معین سے تجاوز نہ کرنے اور اُس کو نگاہ رکھنے کا نام اعتدال ہے +

کوئی کام خواہ وہ تمدن اور معاشرت سے علاوہ رکھتا ہو یا معاد اور آخرت سے ایسا نہیں پایا جاتا جس میں اعتدال کی ضرورت نہ ہو تمام قوے جو خدا نے انسان کو عطا فرمائے ہیں اور جن کی بدولت انسان نون جہان میں ہر قسم کی خوشی اور آسائش اور آرام حاصل کر سکتا ہے وہ سب کے سب درحقیقت اعتدال ہی کی بدولت شگفتہ اور شاداب ہو سکتے ہیں پس قدرت کا یہ ایک ایسا سچا اور مستحکم اصول ہے کہ دنیا کا تمام کارخانہ اُسی پر قائم ہے اور یہی حکمت تھی کہ مذہب اسلام میں اعتدال کی نسبت نہایت تاکید ہوئی اور کچھ شبہ نہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب میں مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی کوئی بات اعتدال سے خارج نہیں ہے اس مذہب کا کوئی کام خواہ عبادت میں خواہ معاملات میں ایسا نہیں پایا جاتا جس میں اعتدال نہ ہو ورنہ فیضان جو خدا نے مسلمانوں کے واسطے مقرر کئے وہ سب معتدل ہیں فرائض کے علاوہ اور تمام نیکیوں اور عبادتوں کا بھی یہی حال ہے تمام عبادتیں اُسی وقت تک عبادت ہیں جب تک انسان کے قوے معطل و بیکار نہ ہو جائیں اور اُس کے بعد رہبانیت ہے ولا دہبائیت فی الاسلام یہی حال مالی عبادت کا ہے خیرات و تبرات اُسی حد تک ٹھیک سے جہاں تک انسان خود مفلس اور در ماندہ اور زمانِ شینہ کو محتاج نہ ہو جائے۔ یہ خدا میں گھربار لٹا لگوئی باندھ کا سر چوہی لے دھونی رہا جھگل ہیں جا بیٹھنا مذہب اسلام کا منشا نہیں۔ لکھا قال اللہ تعالیٰ عن جبریل ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تنسہا کل الیسط فتقعد ملوماً محسوراً ۱۵ +

یہی حال مسلمانوں کے دنیاوی بڑاؤ کا ہے ہمارے معاملات دنیا کو بھی مذہب اسلام نے نہایت سہل کر دیا ہے تمام تھری اور پاک چیزیں ہمارے واسطے حلال ہیں اور یہی نہیں کہ اُن کے استعمال کی فقط اجازت ہی ہی ہو نہیں بلکہ اُن کے مطلق ترک کو بھی منع فرمایا تاکہ مسلمان حلال اور طیب چیزوں سے حظ اٹھانے میں محروم نہ رہیں۔ یا ایہا الذین امنوا لا تنزعوا طبیبات ما احل اللہ لکم ولا تغتسلوا ان اللہ لا یحب المعتدین وکلومہم رزقکم اللہ حللاً لا طیباً واتقوا اللہ الذی انتقمہ مؤمنون ۱۶ +

یہی حال اور تمام باتوں کا ہے دنیا میں وہ تعاقب جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے عموماً ہوتا ہے اور جس سے انسان کے حظ زندگی کا بہت بڑا حصہ منتقل ہوتا ہے وہ وہ تعلق ہے جو میاں اور بی بی میں ہوتا ہے

۱۵ اور نہ کہ اپنا ماتحت اپنی گردن سے بندھا ہوا اور نہ کہ لوہے کے اُس کو نہ کہ کوئی پتھر تو بیچھ رہا ہے الزام کی یا بار

۱۶ پارہ ۱۵ - رکوع ۲ +

۱۷ اے ایمان والو! حرام ٹھہرانے سے بچو جو اللہ نے تم کو حلال کیں اور جس سے تم نے اللہ سے بڑا شکر نہیں کیا تھا یا دینی والو!

کو اور کھانا اللہ کے دیئے سے جو حلال ہو مستحضر اور دُور سے رہو اللہ سے جس پر یقین رکھتے ہو۔ (پارہ ۱۷ - رکوع ۱) +

اس تعلق کے مستحکم اور خوشگوار کرنے کے واسطے جو احکام مذہب اسلام میں ہیں جب اُس کل مجموعہ پر نظر کیجا
تو کوئی منصف آدمی بھی گو کسی مذہب کا کیوں نہ ہو مطلق اعتراض نہیں کر سکتا +

میں اس مضمون میں اُن کجخت اور ناخدا ترس مسلمانوں کی حمایت کرنا نہیں چاہتا ہوں جنہوں نے اپنا
برتاؤ خلاف احکام خدا اور رسول کے قائم کر کے نہ فقط اپنی عاقبت خراب کی ہے بلکہ اپنی اُن ناشائستہ حرکات
کی بدولت غیر مذہب والوں کی نظروں میں جو صرف ہمارے اعمال کی بھلائی برائی پر بظاہر مذہب اسلام کی بھلائی
اور برائی کو قیاس کرتے ہیں مذہب اسلام کو حقیر کر دیا ہے میں اس وقت صرف اُن احکام سے بحث کرتا ہوں جو مذہب
اسلام نے مسلمانوں کے برتاؤ کے واسطے نہایت اعتدال کے ساتھ مقرر کئے ہیں +

کثرت ازدواج جسکی بدولت غیر مذہب والے مسلمانوں پر طعنہ کرتے ہیں جس طرح مسلمانوں کے مذہب کے
بموجب جائز کیا گیا ہے ہرگز لائق اعتراض نہیں بلکہ بالکل قانون قدرت کے مطابق اور نہایت ضروری ہے
اول تو مذہب اسلام نے یہ نہیں کیا کہ ایک نکاح کی قید کو توڑ کر زیادہ نکاح جائز کر دے ہوں بلکہ ایک غیر محدود تعداد
نکاح کو جو قبل اسلام کے رائج تھا بہت کچھ گھٹا کر محدود کر دیا ہے اور درحقیقت ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت
مذہب اسلام نے کسی مسلمان کو اُس وقت تک نہیں دی جب تک شدید ضرورت نہ پائی جاوے فرض کر دو کہ
اگر ایک بی بی سے اولاد نہ ہوتی ہو اور عورت ہی میں کوئی نقصان ہو تو مرد اگر اولاد کی خواہش میں جس سے
کوئی دل خالی نہیں ہے دوسرا نکاح نہ کر سکے تو کس قدر مایوسی کی بات ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر اولاد کی محرومی مرد
کے کسی نقصان سے ہو تو عورت کو یہ اجازت ہے کہ قاضی کے حضور میں مرد سے طلاق دلانے کے واسطے
نالشی ہو۔ فرض کر دو کہ کسی مرد کی خواہش اور قوت ایسی بڑھی ہوئی ہو کہ اُس کو دوسری بی بی کی حاجت ہو تو
کیا گناہ ہے اگر وہ دوسرا نکاح کرے یہی بات کہ عورت کو ایسی اجازت کیوں نہ ہو اُس کا یہ حال ہے کہ اس
معاملہ میں مرد ہی کو ترجیح دینا ضرور تھا ایسی اجازت میں نطفہ کچھ متحقق نہ ہوتا میراث میں نہایت جھگڑا پڑتا قطع نظر
اُسکے مرد اور عورت کی بناوٹ یہی بات چاہتی ہے کہ مرد کو ترجیح کا حق حاصل ہو عورت پر مہر مدت حمل میں اور
بعد وضع حمل ایک مدت امتداد ایسی گذرتی ہے کہ وہ مفید ہو جاتی ہے برخلاف مرد کے کہ وہ ہر وقت آزاد رہتا ہے تمام
دنیا میں اور اُن ملکوں میں بھی جہاں عورتوں کے حقوق مردوں سے کچھ کم تسلیم نہیں ہوتے انک پیہ پیہ پیدا کرنے
اور گھر کا انتظام قائم رکھنے اور کاروبار چلانیکا کام اکثر بلکہ عموماً مردوں ہی سے متعلق ہے پس یہ تمام ترکیب
اعضا اور لیاقتیں اور ذمہ واریاں جو مردوں میں ہیں بلاشبہ اس لائق ہیں کہ اُن کو عورتوں پر ترجیح حاصل ہو +
بایںہمہ اس ترجیح سے ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورتوں کے حق میں نا انصافی اور سبیر جی اور ظلم جائز رکھا
جاوے یہ تمام باتیں مذہب اسلام کے بالکل برخلاف ہیں مسلمانوں کے مذہب میں فریقین کو نہایت

تائید ہوئی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت پیار اور محبت سے رہیں۔ مردوں کو یہ نصیحت ہے کہ عورتیں اگر کوئی تلخ بات بھی کہیں تو اس پر صبر کریں۔ مرد جب دوسرا نکاح کرے تو اُس پر فرض ہے کہ نفقہ اور محبت اور باری میں غرض کہ جملہ باتوں میں اپنی سب بیبیوں میں مساوات اور عدل کو نگاہ رکھے اور اعلیٰ قدر مراتب سب کی خاطر اور تواضع اور دلداری کرتا ہے۔ اس موقع پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ ایک بی بی کا حسن و جمال مرد کو دوسری بی بی کی نسبت اپنی طرف زیادہ ہائل کر لیوے اور اُس حالت میں مرد اعتدال قائم نہ رکھ سکے اور بلاشبہ یہ بات صحیح ہے لیکن مذہب اسلام پر یہ اعتراض اس لئے وارد نہیں ہو سکتا کہ اُس میں نکاح آخر کی اجازت مرد کو اُسی حالت میں ہے جبکہ مرد اعتدال کر سکے ورنہ فعل مصیبت میں اُخل ہو گا اور درحقیقت یہ قید اعتدال بین الزوجتین کی ایسی سخت ہے کہ ہر آدمی اُس کو پورا نہیں کر سکتا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عدل اور مساوات اپنی بیبیوں میں برقی یہاں تک کہ ہر ایک کے جھرو پر مٹی تول تول کر ڈالی اس سے عام مسلمانوں کو تعدد نکاح کی مشکلات سے مطلع کر دیا اور یہ ایک منجانب اللہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حتی الامکان ایک ہی بی بی پر قناعت کرنا چاہئے چنانچہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے فیصدی پانچ مسلمان بھی ایسے نہیں ہیں جو ایک سے زیادہ بیبیاں رکھتے ہوں +

لیکن چونکہ سچا مذہب ایسا ہونا چاہئے تھا جس میں ہر ایک موسم اور ملک اور ضرورت اور ہر ایک مزاج کی رعایت ملحوظ ہو اس لئے یہ بات ضرور تھی کہ مرد ایک نکاح سے زیادہ کے واسطے ایک مناسب حد تک مطلقاً منع نہ کیا جائے تاکہ اُن حضرات کا بھی علاج باقی رہے جو ایسی منع کی حالت میں پیش آتیں نیپولین بوناپارٹ اگر مسلمان ہوتا تو کبھی اس وقت میں نہ پڑتا جو اُس کو اپنی پہلی بی بی جوزی حنین سے اولاد نہ ہونے اور مر یا لویا شہنشاہ اشتریا کی دختر سے دوسرا نکاح کرتے وقت پیش آئی۔ نیپولین نے مجبور ہو کر اُس قانون پر عمل کیا جو کارخانہ قدرت کے موافق اور مسلمانوں کے مذہب کے مطابق تھا +

طلاق اُن سب نارضا مندیوں کا آخر علاج ہے جسکے سبب کوئی گھر اور خاندان معرض پیشانی اور تنہائی ہو ہم پوچھتے ہیں کہ انسان آخر بشر ہے میاں اور بی بی میں اگر کوئی ایسا رنج پیدا ہو گیا جس کا تذکرہ اُردو طرح پر ناممکن ہے تو کیا یہ مناسب ہے کہ دونوں اُسی مایوسی اور پُر رنج حالت میں اپنی زندگی بسر کریں یا یہ مناسب ہے کہ دونوں اُس رنج سے خلاص ہوں اور خوشی حاصل کر نیکی فکر کریں۔ مرد اگر کسی بی بی سے نہایت آزرده ہو اور عدل قائم نہ رکھ سکتا ہو تو وہ اپنی بی بی کو طلاق دیکر اُس رنج سے خلاصی پاسکتا ہے بی بی دوسرا نکاح کر کے اُس مایوسانہ حالت سے نکل سکتی ہے تاہم مذہب اسلام نے اس بات کی بہت کچھ روک تھام کی ہے کہ طلاق کی رسم عام نہ ہو جائے اور ایسا مستقل رستہ بات کی بات میں یا غصہ کی حالت

میں منقطع نہ ہو جائے اس لئے ایک یا دو مرتبہ اگر لفظ طلاق منہ سے نکل بھی جاوے تو بھی پھر رجعت ہوتی ہے اور تیسری دفعہ کی محتاج رہ جاتی ہے اور طلاق مغلطہ کے بعد اگر میاں بی بی پھر آپس میں انس بھی ہو جاویں تو وہ اُس وقت تک کافی نہیں جیتک کہ بی بی نے کسی غیر شخص سے نکاح کر کے طلاق نہ پائی ہو یہ اس لئے کہ طلاق کوئی ہنسی کھیل نہ ہو جاوے اور مرد یہ خوب سمجھ لے کہ طلاق کے موثق ہو جانیکے بعد پھر کسی طرح وہ اپنی بی بی کو نہیں پاسکتا اس لئے کہ عورت کا دوسرے مرد سے نکاح کرنا اور پھر طلاق پانا نہایت شاذ ہے +

الغرض میاں اور بی بی کے تعلقات کو جیسا عمدہ مسلمانوں کے مذہب نے قائم کر دیا اور جس رعایت اس بات کی کہ گھروں کے فساد و دُور ہوں زنا اور بدکاری سے مرد اور عورت دونوں محفوظ رہیں اور بدسلوکی و بد اخلاقی پاس نہ آئے پامسے بنی اُمی کی بدولت مسلمانوں میں برائی لگئی ممکن نہیں کہ مسلمان اُس کا شکریہ ادا کر سکیں اور ناممکن تھا کہ بڑے بڑے عقلمندی زمانہ اور ماہران فن اصول تو این بھی باہمی مشورتوں سے ایسے مختصر اور عام فہم لفظوں میں اور ایسی آسانی سے ایسے اصول قائم کر سکتے گرافس ہے کہ اکثر مسلمان اپنے عمدہ مذہب کی اصلی خوبئوں کی طرف خیال نہیں فرماتے اور ایسی ایسی حشیانہ اور ظالمانہ حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں جو بالکل خدا اور رسول کے حکم کے برخلاف ہیں اور جن کی نسبت ضرور ایک نایک ن اُن سے باز پرس ہونی ہے اور اپنے اُن نامعقول افعال کو جن کے بیان کرنے سے شرم آتی ہے مذہب اسلام کے مطابق خیال کرنے سے مذہب اسلام کو داغ لگاتے ہیں اُن بیکس لڑکیوں کو جن کے کبختیاں باپ مصیبت اور قحط کے دنوں میں بیچ ڈالنے کے حیلہ سے چھوٹ جاتے ہیں شرعی نوڈیاں سمجھا گیا ہے کہ یہ عزت کی بات نہیں ہے اور کیا یہ مسلمانوں کی رسوائی کا باعث نہیں ہے اور کیا یہ آفت اس لائق نہیں ہے کہ مسلمان اُس سے اجتناب کریں اور اعتدال سے نہ گذریں +

حاصل یہ کہ مذہب اسلام کے بموجب تمام بڑاؤ ادا کرنے سے یکراختے تک نہایت اعتدال کے ساتھ ہے اور جب اُس سے تجاوز کیا جاتا ہے تب ہی خرابی پیدا ہوتی ہے بہت کم لوگ ہیں جو اپنے معالائیر اعتدال برتتے ہوں اور خصوصاً ہندوستان میں تو افراط اور تفریط کوئی حد ہی باقی نہیں رہی نکاح کے علاوہ جس کا اوپر نوکر کیا گیا اور بہت سی باتوں میں بے اعتدالیاں ہوتی ہیں اور پھر مشکل یہ ہے کہ اُن بے اعتدالیوں کو بے اعتدالی نہیں سمجھا جاتا +

اب آج کل اس بات کا بہت کچھ چرچا ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کو شائستگی اور تربیت حاصل نہ پانچے

اور بڑے بڑے لوگ اسباب میں سامی ہیں اور بڑے بڑے پڑھے لکھے اُن اولوالعزم لوگوں کی کوششوں کے برخلاف ہیں اور ایک بڑا مناظرہ اور مناقشہ قائم ہوا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہی ایک اصول جس پر تمام باتوں کا دار معار ہے یعنی اعتدال دونوں فریق اُسی کو بھولے ہوئے ہیں *
ایک فریق تو شائستگی کے نام سے نفرت کرتا ہے اور اُس میں کوشش کرنے کو ضلالت اور ارتداد بلکہ کفر کے قریب تک نوبت پہنچا دیتا ہے اس فریق نے دنیاوی ترقی کو مذہب اسلام کے بالکل برخلاف سمجھا ہے اس فریق میں سے فیصدی ننانوے آدمی خود دنیا میں مبتلا ہیں مگر بات کا منہ سے نکالنا عیب جانتے ہیں خود ہر قسم کی کوشش مال و دولت اور نام و عزت کے حصول کے واسطے کرتے ہیں۔ لیکن اس بات کو گوارا نہیں کرتے کہ کوئی شخص اُس کو باقاعدہ حامل کرنے کے واسطے کوشش کرے اور اُوروں کو بھی وہ قواعد سکھلا دے *

دوسرے فریق نے برخلاف اُسکے یہ سمجھا کہ شائستہ قوموں سے ملنے اور میل ملاپ قائم رکھنے سے اپنی قوم بھی شائستہ اور مذہب ہو سکتی ہے اور یہ خیال اُن کا بالکل درست تھا لیکن اُنہوں نے جو طریقہ اس مقصد کے حصول کے واسطے اختیار کیا اور اب تک بھی بعض بڑے بڑے نامی مسلمان بعض وقت اُسی کی پیروی کرتے ہیں وہ ایسا خراب تھا کہ اُسکے سبب اصل مطلب بھی فوت ہو گیا اور بجائے اُسکے کہ سچے مسلمانوں کو اس مقصد کے حصول کی طرف کچھ رغبت ہوتی اور زیادہ نفرت ہو گئی اور بدن بدن وہ نفرت ترقی پکڑتی جاتی ہے اور یہ ایک بڑی خرابی کی بات ہے اور کچھ شک نہیں کہ یہ تمام خرابیاں صرف اسی وجہ سے پیدا ہوئیں کہ مذکورہ بالا فریقین نے اعتدال سے بڑھا کر قدم رکھا *

مشہورات ہے کہ بڑے بڑے قاضی القضاات اور نیچی ڈاڑھیوں والے وہ مولوی صاحب قبضہ جو ہندوستانی ناچ و رنگ میں شریک ہونیکو نہایت ذلیل اور بیجائی سمجھتے ہیں اور بالکل سچ سمجھتے ہیں (انگریزی ناچ و رنگ کی مجلسوں میں بے تکلیف شریک ہوتے ہیں اور اُس کو مصلحت وقت سمجھتے ہیں *
سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اسی مصالحت کے لحاظ سے مع اپنے رؤسا اور اُمراء کے اُس بال میں (یعنی انگریزی ناچ و رنگ میں مجلس میں) شریک ہوا جو سفیر انگلستان نے شاہزادہ ولیعہد بہادر انگلستان کے قسطنطنیہ میں تشریف لانے کے وقت اپنے اظہار مسرت کے واسطے دیا تھا *

اب اس موقع پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ ایسے ناچ و رنگ کی مجلس میں بوجہ اسلام کے شریک ہونا جائز ہے یا نہیں۔ دوم یہ کہ اگر ناجائز ہے تو موجودہ وقت کی مصالحت کے لحاظ سے اُس میں یک

ہونا جائز ہے یا نہیں شریعت اول کی نسبت تو مجھ کو اس لئے کچھ زیادہ بحث کرنا ضرور نہیں ہے کہ جو صاحب ان ناشائستہ حرکتوں کے مرتکب ہوتے ہیں ابھی تک انہوں نے خود بھی اُس کو شرعاً مباح نہیں فرمایا ہے شوق نامی کے لحاظ سے میں تسلیم کرتا ہوں کہ مصلحت اندیشی بلاشبہ ایک عمدہ بات ہے لیکن کھینچنا چاہئے کہ مذہب اسلام میں اتنی گنجائش ہے یا نہیں کہ مسلمان اپنے تمام افعال مذہب کی پابندی سے کر سکیں اور کوئی خرابی پیدا نہ ہو مجھ کو ایک بات یاد آئی دہلی میں جب مولوی عبدالقادر صاحب نے اس جان سے حلت فرمائی تو اُس خاندان کے دستور کے مطابق اُن کا جازہ صندوق میں رکھا گیا اور اوپر سے اُس پر شامیانہ تنامولوی محمد امین صاحب شہید علیہ الرحمۃ نے جو ایک بنظر شخص گزریے ہیں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز سے اُس بات کی درخواست کی کہ صندوق اور شامیانہ کی شرع میں کچھ اصلیت پائی نہیں جاتی یہ دونوں بدعتیں موقوف کی جاویں مولانا صاحب نے شامیانہ تو موقوف کر دیا اور صندوق کی نسبت یہ جواب کھلا بھیجا کہ اسکی اصل ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کے جازہ کو اُن کے بیٹوں نے صندوق میں رکھا تھا۔ یہ جواب شکر مولوی سہیل صاحب کے ذرا گیا اور انہوں نے علانیہ یہ فرمایا کہ کیا مذہب اسلام اب اس قدر تنگ ہو گیا کہ اُس میں جازہ اٹھانے تک کے بھی پورے پورے احکام نہیں ملتے جو ہم اور انبیاء سابق علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی طرف رجوع لادیں شاہ صاحب اپنے بھتیجے کی یہ بات سُکر پسینا پسینا ہو گئے اور مشہور ہے کہ اُس دن کے بعد سے یہ سب رسمیں اُس خاندان میں سے موقوف ہو گئیں +

جو صاحب مصلحت وقت کے جلد سے انگریزی ناچ و رنگ کی مجلسوں میں باوجود ممانعت شریعت کے بے تکلف شریک ہوتے ہیں اُن کا مطلب محاذِ اللہ یہ ہوتا ہے کہ مذہب اسلام میں کوئی ایسا قاعدہ مقرر نہیں ہے جسکے ذریعہ سے مسلمان غیر قوموں سے اپنا معاملہ اتفاق کیساتھ قائم رکھ سکیں اور اپنا اعتبار اور اعزاز غیر قوموں کی نظروں میں پیدا کر سکیں ان مصلحت دشمن مسلمانوں کی نسبت یہ کہنا مناسب ہے کہ زیادہ بچے مسلمان نہیں یا انہوں نے مسلمانوں کے مذہب کی تمام خوبیوں کو اچھی طرح نہیں سمجھا ہے پس ایسی رائے دیکھنے والوں پر سولے افسوس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے! ہمیں کوئی مولوی ہو یا کوئی فاضل القضاۃ یا کوئی سلطان وقت ہم کو ان میں سے کسی کی خلاف شرع مصلحت اندیشی کی تقلید کرنا نہ چاہئے +

مسلمانوں کے مذہب میں جس قدر اُن باتوں کی تفتیش ہے جن کے ذریعہ سے غیر قوموں میں مسلمانوں کا اعتبار اور اعزاز قائم رہے ایسی شاید اور کسی مذہب میں نہ ہو یہی نکتہ ہے جس کی نسبت حافظ شیراز فرماتے ہیں۔

درمیانِ شرع حکمت باہر ماںِ اختلاف نکتہ ہرگز نشد فوت از دلِ دانائے تو

وفا اور فریب سے بچنا ہمارے مذہب کا تمغہ ہے ایک مرتبہ کسی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھوڑا چھوٹ گیا اور وہ صحابی خالی تو برہ اُس کو دکھلا دکھلا کر اُس کے پکڑنے کی فکر میں ہوئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن صحابی سے پوچھا کہ اس تمبرہ میں کچھ ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ کچھ نہیں ہے اپنے ارشاد کیا کہ اُس میں کچھ دانہ یا گھاس ضرور ڈال لو ورنہ یہ فعل وفا اور فریب سے سمجھا جاوے گا پس خیال کرو کہ جس مذہب کے بانی نے جانوروں کیساتھ ایسی ایسی خفیف باتوں میں بھی وفا اور فریب کر نیکی یوں تک امتیاط کی اُس نے انسانوں کے آپس میں کس قدر اُس کی تاکید کی ہوگی پس یہ ایک ایسی عمدہ صفت ہے کہ اُس کی بدلت ہم غیر قوموں سے بہت اچھی طرح ملاپ قائم کر سکتے ہیں ہم کو چاہئے کہ ہم اُن کے سامنے جھوٹ بولیں اپنی غرض کے واسطے اُن کو دھوکہ نہ دیں گو اپنا نقصان ہی ہوتا ہو بات جب کہیں سچی کہیں اور کام جو کہیں صفا فی دل اور نیک نیتی سے کریں فائے عہد جس کی نسبت اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ارشاد فرماتا ہے اوفوا بالعہد ان العہد کان مسئلوا مسلمانوں کیلئے مذکورہ بالا مقصد کے حصول کی واسطے نہایت عمدہ قانون ہے جو زمانہ مسلمانوں کے عروج اور کمال کا زمانہ گذرا اُس میں بھی مسلمان اپنی اس یک رنگی اور وفائے عہد کے سبب دنیا کی تمام قوموں کی نظروں میں معزز اور ممتاز تھے مسلمان کبھی اپنے دشمنوں کو اس بات کا موقع نہ دیتے تھے کہ وہ مسلمانوں کی نسبت اس قسم کا الزام لگا سکیں +

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح جو شام کی لشکر کشی میں مسلمانوں کی فوج کے سردار تھے اُنہوں نے ایک عیسائی حاکم سے صلح کی اور یہ عہد کر لیا کہ اہل عرب عندہ مکہ کی مدت تک تمہاری سرزمین میں سست اندازی نہ کریں گے عیسائیوں نے اس قرار داد پر پورا پورا عمل ہونیکے واسطے اپنی سرپر ایک مینار تعمیر کرایا اور اپنے حاکم کی تصویر اُس پر قائم کر دی اہل عرب جب اُس تصویر تک پہنچتے تھے تو ایفائے عہد کی غرض سے آگے نہ بڑھتے تھے ایک دفعہ کسی اتفاق سے اُس تصویر کی آنکھ میں کچھ نقصان آگیا عیسائیوں نے اُس کی شکایت کی کہ اہل عرب نے اس آنکھ کو ناقص کر دیا ہے اور یہ ایک نقص عہد ہے حضرت ابو عبیدہ یہ بات سننے ہی کا نہ پ گئے اور اُن شکایت کرنے والوں کے سامنے اپنی دونوں آنکھیں کر دیں کہ اگر تمہارا گمان میں یہ کام ہماری طرف سے ہوا ہے تو جو نسی آنکھ تمہاری تصویر کی ناقص ہو گئی ہو وہی آنکھ تمہاری ناقص کر دو کہ یہ تکلیف مجھ کو نقص عہد کے الزام عاید ہونے سے آسان تر ہے عیسائیوں نے مسلمانوں کے سردار کی اس ہمت پر آفرین کی اور اُس صل سے باز نہ رہے +

اب خیال کرنا چاہئے کہ جو وقت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور اُن کے ساتھی مسلمانوں کا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس عمدہ صفت کے ذریعہ سے اُس وقت کے عیسائیوں میں ہوا کیا سلطان روم اور اُس کے

امراء اور رؤسا کا وہی اعتبار اپنے اس فعل کا مشروع کے ذریعہ سے حال کی غیر قوموں کی نظروں میں ہو سکتا ہے۔ حاشا کہ اُس کا عشر عشر بھی نہیں ہو سکتا۔ سلطان نے اگر یہ غلطی کی تو بہت بُرا کیا۔ اور مسلمانوں کو ہرگز اُس کی تقلید مناسب نہیں ہے ہم نے جب اپنے مذہب کے خلاف کام کر کے غیر قوموں میں اپنا اعتبار بھی پیدا کیا تو ہم کیا فیض کو پہنچ سکتے ہیں جن قوموں کے خوش کرنے کے واسطے یہ وتیرہ اختیار کیا وہ بھی تو نادان نہیں جب وہ دیکھیں گی کہ ہم خلاف شرع کام اُن کی خوشامد سے کرتے ہیں تو وہ بھی ہم کو حقارت سے دیکھیں گی اور جو رسوائی ہم کو دنیا میں اور مسلمانوں کی نظروں میں اور عاقبت میں خدا اور رسول کے سامنے ہوگی وہ اُس پر مستزاد ہے +

جو کام ہم اختیار کریں ضرور ہے کہ اُس میں ہر پہلو اور ہر جانب کا خیال کر لیں اور خصوصاً اپنے مذہب کی طرف سے ہر قسم کی احتیاط کر لیں دنیا کی اصلاح مسلمانوں کے مذہب کے برخلاف نہیں ہے بلکہ عین مقصود و شائع ہے کچھ شک نہیں کہ خدا خواستہ اگر تمام مسلمان مفلس قلائچ ہو جاویں تو مسلمانوں کے مذہب کی بھی رونق باقی نہ رہے گی یہ سب اُسی وقت ہے جب کسی ترقی دنیاوی سے ہم کو اپنے مذہب میں کسی نقصان کے آئینہ اندیشہ نہ ہو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْغَنِيِّ الْمَطْعِيِّ وَاَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفَقْرِ الْمَكْبِیْنِ یعنی اے اللہ مجھ کو پناہ میں رکھ ایسی دولت اور ثروت سے جس سے آدمی گمراہ ہو جاتا ہے اور اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں ایسی تنگی اور محتاجی سے جس سے آدمی چلا اٹھے خود خدا تعالیٰ نے ہم کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ پس یہ کون کتنا ہے کہ ہم کو اپنی دنیا کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا ضرور نہیں ہے مگر اُس میں صرف اس قدر متوجہ ہوں کہ اپنے نماز روزہ کی طرف سے بھی غافل نہ ہو جاویں +

ہر ایک مسلمان اس بات پر بخوبی واقف ہے کہ جوں جوں مسلمانوں کے قبضہ میں ملک زیادہ آنے لگے مسلمانوں کی عزت اور اسام کی رونق زیادہ ہوتی گئی اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جب خلفاء راشدین کی خلافت کا زمانہ گزر گیا اور کچھ دنوں بعد مسلمان بادشاہوں نے غیر قوموں کی دیکھا دیکھی شامانہ ٹھٹھا درست کئے اور عیش و آرام میں اس درجہ مستغرق ہوئے کہ مذہب کی طرف سے غافل یا کابل ہو گئے وہی مفلح ملک اُن کے قبضہ میں آئے تو رفتہ رفتہ شروع ہو گئے ہیں نے یہ کیفیت صرف مسلمانوں کی بیان کی اور حقیقت میں تمام قوموں اور سلطنتوں کا یہی حال ہوا جبکہ قوموں اور سلطنتوں میں اپنے اپنے مذہب کے برخلاف کام ہونے لگے اُن سلطنتوں میں الگ الگ مسلمانوں کو ہر ایک ترقی اختیار کرتے وقت اپنے مذہبی ارکان کی طرف سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے۔

سنہکلے رکھنا قدم دشتِ غار پر مینوں کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

عام محبت

یعنی غیر مذہب والوں کے ساتھ محبت اور دوستی

آج کل ہندوستان کے مسلمانوں کے بعض مسائل تصفیہ اکثر اس مصلحت پر مبنی ہو رہے ہیں کہ غیر مذہب والوں کے ساتھ دوستی اور محبت شرعاً ممنوع ہے۔ بہت سی باتیں جن کو ہماری سہل شریعت نے مباح کر دیا ہے وہ اسی مصلحت کے لحاظ سے مذہباً ناجائز سمجھی جاتی ہیں غیر مذہب والوں کے ساتھ کھانا اور پینا جو فی نفسہ مباح ہے اسی ایک مصلحت کے سبب منسوخ ہو رہا ہے یہاں تک کہ بعض مقدس مزاج اور محتاط طبیعتیں غیر مذہب والوں کے ساتھ آمد و رفت اور نشست و برخاست کو بھی پسند نہیں کرتیں۔ علما اسلام کا یہ حال ہے کہ وہ دنیا اور مافیہا کے حالات سے تو مطلقاً آگاہی نہیں رکھتے ان کو یہ کچھ نہیں معلوم کہ اور ملکوں میں کیا ہو رہا ہے اور ضرورت وقت کے لحاظ سے ہم کو کیا کرنا چاہئے وہ نیک نیتی سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اگر غیر مذہب والوں سے اس قسم کی راہ و رسم جاری کی جائے تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ عوام اہل اسلام جو اپنے مذہبی مسائل سے ناواقف یا کم واقف ہوتے ہیں وہ غیر مذہب والوں کی محبت میں خراب اور اپنے دین مذہب سے منحرف ہو جاویں گے اس لئے وہ بالقصد مسلمانوں کو مباحات شرعیہ کے عمل میں لائیکلی اجازت نہیں دیتے اور خود اس لئے انکا استعمال نہیں کرتے کہ جو بات باپ دادوں سے نہیں ہوئی اُس پر جرأت کرنا مشکل ہے اور جن عالموں کی ثابت قدمی اس مشکل پر غالب بھی آسکتی ہے وہ اس لئے ان مباحات سے کنارہ کش جاتے ہیں کہ ہم کو کرتا ہوا دیکھ کر عوام بھی ویسا ہی کرنے لگیں گے اور پھر وہی خرابی پیش آئے گی جس کا اندیشہ ہے۔ حالانکہ یہ اندیشہ بالکل غلط اور اس غلطی کا یہ علاج اور زیادہ غلط ہے عوام کا عقیدہ جن کا عمل بالکل یوں منوں بالغیب پر ہے اس قدر پختہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ہدایہ اور صدقے پڑھنے والے طالب علموں کو اپنے بعض مذہبی مسائل کی طرف نزدیک ہو جاتا ہے مگر عوام کو کبھی خواب میں بھی کوئی تشویش لاحق نہیں ہوتی اور یقیناً یہی کیفیت ان کی غیر مذہب والوں کی صحبت میں بھی باقی رہے گی پس عوام کے خوف سے اپنے مسائل کو آزادی سے بیان کریں نہیں تامل کرنا بلکہ ٹال جانا اور اُس کو اپنے وہی اندیشہ کا علاج خیال کرنا حقیقت میں سخت الزام کی بات بلکہ گناہ اور معصیت میں داخل ہے اور اپنی شریعت میں ایک قسم کی تحریف ہے +

اور ایسے عالموں اور عابدوں سے بھی زمانہ خالی نہیں ہے اور ان مباحات سے صرف اس غرض سے متمنع نہیں ہوتے کہ ہمارا تشخص اور تقدس صاحبانِ دُور کے دلوں میں جو اُنکے مایہ توکل ہیں اُنکے باعث

رونق ہیں قائم ہے۔ اس اخیر گروہ کی ذلت قواب خدا کی عنایت سے روز بروز کمال ہوتی چلی جاتی ہے امراء بھی اب اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں اور اہل مذاق نے اپنی اصلاح میں اُن کا لقب تحصیلدار رکھ لیا ہے جو اوقات معین پر دورہ کرتے ہیں اور اپنا اندرانہ معینہ وصول کر لیتے ہیں۔ اس مضمون میں اُن تحصیلداروں کے اعمال و افعال سے کچھ بحث نہیں ہے بلکہ گفتگو اول الذکر فرقوں کے خیالات سے ہے +

پس واضح ہو کہ محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محبت من حیث الدین اور یہ وہ محبت ہے جو مسلمانوں کے باہم صرف تو وحدہ ہب کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان عالم اور دیندار جس کو پہلے ہم نے کبھی نہ دیکھا ہو اسی محبت کے سبب سے ہمارے نزدیک واجب النظم ہوتا ہے۔ اسی جوش مذہبی کے سبب سے اُس دیندار اور عالم کی محبت ہمارے دل میں اثر کر جاتی ہے۔ پس یہ محبت مسلمانوں کو صرف مسلمانوں سے ہو سکتی ہے اور مسلمانوں ہی پر منحصر نہیں جو دنیا میں جس قدر اہل مذاہب ہیں اُن سب کی یہی کیفیت ہے کسی مذہب کا آدمی دوسرے مذہب والوں سے محبت اور من حیث الدین پیدا نہیں کر سکتا +

دوسری قسم کی محبت وہ ہے جو امور معاشرت اور روزمرہ کے دنیاوی برائے واسطے ملنے اور پیش عالم کے ساتھ پیدا کی ہے اور وہ ایسی ضروری شے ہے کہ نظام عالم کے بڑے بڑے ارکان اُسی پر منحصر ہیں یاں باپ کو اپنے بچوں سے جتنی کو بھائی سے میاں کو بی بی سے اور بی بی کو میاں سے اپنے خاندان والوں سے اپنے ہم محلہ سے اپنے شہر والوں سے اپنے ملک والوں سے اپنے ہمجنسوں سے اور اپنے مددگاروں اور اپنے محسنوں سے جو محبت ہر انسان کو ہوتی ہے وہ اسی دوسری قسم کی محبت ہوتی ہے۔ البتہ محبت من حیث الدین اکثر اس محبت من حیث العاشرت سے شامل ہو جاتی ہے برخلاف اسکے اگر ہم یہ دعویٰ کریں کہ ماں باپ کو اپنے بچوں سے اس لئے محبت ہوتی ہے کہ بطن غالب آخر کو وہ اولاد اپنے ماں باپ کے مذہب کی پیروی کرینگے تو اس بات کی کیا وجہ ہوگی کہ چوپایوں اور پرندوں میں بھی جو کچھ مذہب نہیں رکھتے اسی ہی محبت پائی جاتی ہے جیسی انسانوں میں ہوتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ محبت من حیث العاشرت ایک دوسری قسم کی محبت اور ایک قدرتی اثر ہے جو محبت من حیث الدین سے بالکل علیحدہ ہے لیکن یہ دونوں محبتیں باہم ایک دوسری کے مخالف اور ضد نہیں ہیں۔ ایک جوش مذہبی جو انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے محبت من حیث الدین کو تو پیدا کر دیتا ہے لیکن محبت من حیث العاشرت کو جو فی نفسہ ایک جراثیم ہے منقطع نہیں کرتا اور نہ اُس سے جوش مذہبی میں یہ تاثیر ہوتی ہے کہ وہ کسی محبت من حیث العاشرت کو ہم مذہبوں یا غیر مذہبوں سے منقطع کر سکے +

غالباً میرے اس اخیر بیان سے کہ جوش مذہبی محبت من حیث العاشرت کو جو کسی غیر مذہب والے کی سائنہ

ہو منقطع نہیں کر سکتا کثر شخص اتفاق کریں گے۔ اس وقت بیشتر لوگوں کی رائے یہی ہے کہ جوش ایمانی ایسی محبت کو دل میں جگہ نہیں دے سکتا وہ لوگ جوش ایمانی اور محبت من حیث المعاشرت کو جو غیر مذہب والوں سے ہو دو متضاد خاصیتیں تباہ کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک کے ایجاب سے دوسری کا سلب لازم آتا ہے لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے اور جہاں تک مجھ کو تجربہ ہوا ہے میرے نزدیک ان کے اس دعوے کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ ایک جوش جو آجکل کے مسلمانوں کے اعتقادوں کے بموجب محبت من حیث المعاشرت کو غیر مذہب والوں سے منقطع کرتا ہے وہ حقیقت میں کوئی ایمانی جوش نہیں ہے وہ ان متعصبانہ خیالات کا جوش و خروش ہوتا ہے جن کو نور ایمانی سے کچھ لگاؤ نہیں ہوتا لیکن غلطی سے لوگ اس کو مذہبی جوش سمجھنے لگے ہیں اور میں خود بھی پہلے ایک عرصہ تک جتنا کہ خدا کے احکام پر غور سے نظر نہیں کی تھی ایسا ہی سمجھتا تھا لیکن جب اس کو غور سے اور انصاف سے دیکھا تو اس جوش و خروش کو دھوکہ کے سوا اور کچھ نہ پایا اور ان لغو خیالات کی بنا ایک بڑی باریک غلطی پر نکلی چنانچہ اس مضمون میں ہم اسی غلطی کو مفصل بیان کریں گے +

غیر مذہب والوں کے سر میں سینگ نہیں ہوتے جن کی خلش سے ہم ان سے نفرت کریں کوئی غیر مذہب شخص اگر علانیہ ہمارے مذہب یا ہمارے دین کے پیشواؤں کی نسبت دشنام دہی کرے تو بلاشبہ ہمارے دل کو سخت کڑوا معلوم ہوگا اور ممکن نہیں کہ ہم ایسے شخص سے محبت من حیث المعاشرت قائم رکھ سکیں نفرت ہلکو اسکی بے تہذیبی کی وجہ سے پیدا ہوگی نہ اس کی معاشرت مذہبی سے کوئی غیر مذہب شخص اگر فی الواقع ہم سے ذاتی نفرت کرتا ہو اور ہماری طرف سے اس کو دلی عناد اور تعصب ہو تو ہمارے دل میں بھی اس کی طرف سے سچی محبت کا اثر نہیں ہو سکتا اور اس لئے ہم بھی اگر اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریں جیسا وہ ہمارے ساتھ کرتا ہے تو کوئی زبان یا قلم ہم کو ملزم نہیں ٹھہرا سکتا اور اگر ہم سچائی اور استبانتی کا اہتمام کریں اور اپنے ظاہری برتاؤ کو اپنی دلی کیفیت سے مطابق کریں تو یہ نہایت بہتر اور مردانہ کارروائی میں داخل ہے مان تصبر و استقامت فان ذلک من عزم الامور ان مذکورہ بالا کیفیتوں میں سے جب کوئی کیفیت نہ پائی جاوے اور کسی شخص پر سوائے دوسرے مذہب میں ہونیکے اور کوئی الزام نہ ہو تو اس سے بیٹھے بٹھائے کی ناحق عداوت کی وجہ لے سکے سوا شاید اور کچھ نہ ہوگی کہ وہ ہمارے سچے مذہب کو جھوٹا سمجھتا ہے اور جس مذہب کو ہم بُرا جانتے ہیں وہ اس کو اچھا جانتا ہے لیکن انصاف اور عقل کے نزدیک یہ جہرگز اس سے نفرت اور عداوت کرنے کے واسطے کافی نہیں ہے۔ دوسرے شخص نے اگر ہمارے مذہب کو بُرا سمجھا تو ہم نے بھی اس کے مذہب کو ایسا ہی خیال کیا ہے۔ ہلکو اگر یہ پیش ہے کہ اس

دوسرے نے ہمارے سچے مذہب کو بڑا خیال کیا ہے تو اُس دوسرے شخص کو بھی ایسا ہی طیش ہوگا غرض کہ یہ ایک رائے کا اختلاف ہے عداوت اور دشمنی کی کوئی وجہ اُس سے پیدا نہیں ہوتی +

ایک شہر جس کی آب و ہوا درحقیقت نہایت عمدہ اور صحت بخش ہو کوئی دوسرا شخص اگر غلطی سے اُس کو ناقص خیال کرے یا کوئی مریض کسی نہایت نافع دوا کے استعمال کرنے سے اس خیال خام سے باز رہے کہ دوا مفرب ہے تو ایسی نا سمجھیوں پر بلا شہد افسوس پیدا ہوگا نہ عداوت اور بغض ہمارا یہ خیال کہ وہ نادان شخص اُس عمدہ آب و ہوا کے مقام کو کیوں ناقص بتلاتا ہے اور وہ مریض کیوں ایسی اچھی دوا کو استعمال نہیں کرتا یا ہمارا یہ خیال کہ کوئی غیر مذہب والا شخص ہمارے اس عمدہ مذہب کی پیروی کیوں نہیں کرتا بالکل ایک سے خیالات ہیں پس کوئی وجہ نہیں کہ اول دو خیالوں سے ہم کو ایسی بے چینی پیدا نہ ہو جو عداوت کے درجہ تک پہنچ جاوے اور یہ اخیر خیال ہم کو ایسا بے آرام کر دیوے کہ ہم ایک لمحہ بھی کسی شخص کو غیر مذہب کی پیروی میں ترچھی نگاہوں بغیر نہ دیکھ سکیں +

یہ چھین حالت اگر درحقیقت نورانی اور جوش مذہبی سے کچھ علاوہ رکھتی تو ہماری بہ نسبت انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین اس حالت میں مستغرق رہنے کے زیادہ سزاوارتھے حالانکہ خدا نے قرآن شریف میں اس حالت کو پسند نہیں کیا بلکہ اُس سے منع کیا ہے : ﴿کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالٰی اَعِزُّوْا حُلَّ - دِلَن کَانَ کِبْرًا عَلَیْکُمْ اَعْرَاضُہُمْ فَاِنْ اَسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقَاتِی الْاَرْضِ اَوْ سَلَامًا فِی السَّمَاءِ فَتَاتِبْہُمْ بَاَیَہْ وَلَوْ شَاءَ اللّٰہُ لَجَمَعْتُمْ عَلَی الْہُدٰی فَلَآ تَکُوْنُ مِنْ الْجَاہِلِیْنَ مَعِیَ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تم کو کافروں کا مواضع کرنا ناگوار ہے تو اگر تم سے ممکن ہو تو زمین میں کوئی سڑگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگاؤ اور وہاں سے کوئی نشانی اُن کے واسطے لے آؤ۔ اور اگر اللہ چاہتا تو اُن سب کو ہدایت دیتا پس تم نادان نہ بنو +

اس بے چینی کے علاوہ ایک بڑا سبب اس نفرت کا یہ بھی ہے کہ اکثر مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے غیر مذہب والوں کے ساتھ دوستی اور محبت کرنے کو قطعاً منع کر دیا ہے جس طرح فرمایا خدا نے پاک نے لَا تَتَّخِذِ الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ یا فرمایا کہ لَا تَتَّخِذِ الْیَہُودَ وَالنَّصَارَہُ اَوْلِیَاءَ یا ارشاد ہو لَا تَتَّخِذِ وَاْعِد وَاْعِدْ کَمَا وَاْلِیَاءَ۔ اسی طرح اور اکثر بیتیں اسی تاکید میں موجود ہیں جن کا صاف یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں کو غیر مذہب والوں سے دوستی اور محبت کرنا بالکل منع ہے خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ یا مشرک تحقیقت میں یہ خیال بہت مسلمانوں کے دلوں میں اثر کر گیا ہے اور علماء زمانہ نے اُس کو اور بھی خطر بود کر دیا اب سچی بات کا زبان سے نکالنا

تک نہایت مشکل ہو گیا ہے +

مسلمان اگر غور و انصاف سے دیکھیں تو وہ صاف اس بات کو معلوم کرینگے کہ اگر درحقیقت مذہب اسلام کے مسائل کا ایسا ہی حال ہو جیسا ان کا خیال ہے تو مذہب اسلام نے زیادہ مسلمانوں کے حق میں کوئی دوسری آفت اور وبال نہ ہوگا جن غیر قوموں اور غیر مذہب والوں کیساتھ مسلمانوں کو بمقتضائے ضرورتاً بشری اپنا کاروبار جاری کرنا پڑتا ہے یا آئندہ پڑے یا جو غیر قومیں مسلمانوں پر حکمرانی کریں ان کو مسلمانوں کی طرف سے رفاقت کی کیا امید ہوگی اور کس بھروسہ پر وہ صفائی دل سے مسلمانوں کیساتھ معاملات میں استبازی کرینگے اور وقت پر ان کی ضرورتوں کے سرانجام میں انکی مددگار ہونگی ہمارے عالموں نے ایسی ضرورتوں کے لحاظ سے ایک شرعی جلد یہ تصنیف کر لیا ہے کہ ضرورت کے واسطے غیر مذہب والوں سے ضروری ملاپ جائز ہے۔ یہ راز اگر سرار تصوف کی طرح سینہ بسینہ چلا آتا تو شاید کچھ کام کا بھی ہوتا لیکن جیسا اس سے کتا میں مرتب ہوئیں اور چھاپی گئیں اور اس کی بنا قرآن پاک کی اس آیت پر قائم ہوئی کہ الا ان تتقوا متهم تقا کہ تو اب وہ راز مخفی نہیں رہ سکتا۔ ع

نہاں کے ماند آں راز کے کرو سازند محفلہا

غیر قومیں کوئی احمق یا غافل نہیں ہیں جو ہمارے داؤ میں آجاؤینگے وہ ایسی اندھی نہیں ہیں کہ جب مسلمان اپنی ضرورتوں کے وقت انکے سامنے خوشامد اور جھوٹے اظہارات محبت اور دوستی سے پیش آویں تو وہ ان کی اس منافقانہ کارروائی سے نفرت نہ کریں اور ہمارے اس خود غرض اور ذلیل طریقہ کے سبب ہم کو وہ ذلت کی نظروں سے نہ دیکھیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک مسلمان صفائی قلب سے کسی قوم سے نہ بیٹینگے تب تک وہ قوم ہرگز ہمارے شریک حال نہیں ہو سکتی نہ وہ ہمارے کسی کام میں مدد کر سکتی ہے اور نہ ہم سے صفائی کے ساتھ مل سکتی ہے +

اب خیال کرنا چاہئے کہ جو حالت مسلمانوں کی ہندوستان میں اور نیز اور ملکوں میں بالفعل ہے وہ کس قدر غیر قوموں اور غیر مذہب والوں کی امداد اور دستگیری کی محتاج ہے اور جب یہ بات بھی ہمارے ایمان میں داخل ہے کہ خدا کو یہ سب کیفیت جو مسلمانوں پر اب طاری ہے یا آئندہ طاری ہوگی سب کچھ روز ازل سے معلوم تھی اور اس پر بھی ہم ایمان لائے ہیں کہ اب اور کوئی بنی ہماری شریعت کی اصلاح کیواسطے یا کوئی دوسری شریعت لیکن نہ تو لگیا اور ہماری شریعت اب ہر طرح کامل اور ختم ہے اور اس شریعت کے وہی احکام صحیح فرض کئے جاویں جن سے ہم نے اوپر اختلاف کیا ہے تو گویا زبان حال سے ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ خدا کو باوجود اس تمام عظم و شان کے اتنی بھی لیاقت نہیں ہے جو وہ اپنے پیارے

مسلمانوں کی واسطے ایسی شریعت مقرر کرتا جسکے احکام ہر وقت کی تبدیلیوں کے لحاظ سے اُن کی بقا عزت و آبرو اور اُن کی تمام ضروریات کے سرانجام کے واسطے کافی اور وافی ہوتے۔ اگر یہ نہیں تو دوسری بات یہ تسلیم کرنی پڑے گی کہ خدا نے ہم کو دھوکہ میں رکھا اور ہم کو ایک ایسی شریعت میں پھانسا جسکے احکام خود بخود ایک وقت میں ہماری تنہا ہی اور بربادی کا موجب ہو جاویں تمام اُور قومیں ہماری دشمن ہو جاویں اور ہر شخص حقارت کی نظر سے ہمارے اوپر تھوٹھو کرے۔ نعوذ باللہ منہا +

مگر الحمد للہ کہ نہ ہمارا خدا ایسا بے وقوف ہے اور نہ ہماری شریعت غرہ مضطویہ ایسی مہمل شریعت ہے۔ -

ہر چہ ہست از شامتِ ناسازی اندامِ ماست

ور نہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

ہمارا خدا جس نے اپنے سچے بنی کے ذریعہ سے اپنے پر حکمت احکام ہماری ہدایت اور عمل کی واسطے بھیجے سب زیادہ دانا اور بینا اور حکیم ہے اس حکیم مطلق نے جو شریعت ہمارے واسطے مقرر کی وہ جیسی وسعت میں کمال ہے ویسی ہی برتاؤ میں سہل ہے اپنے برتاؤ کے لحاظ سے جیسی وہ شریعت ایک بہت عمدہ موسم میں کسی جوان آدمی کی جوانی کے مناسب حال ہے ویسے ہی ایک نامناسب موسم میں وہ ایک پر ضعیف مرد کی ضعیفی کے مناسب اپنی وسعت کے لحاظ سے وہ تمام گذشتہ شریعتوں سے فراخ تر ہے اسکی ہر حکمت اور نہایت آسان احکام کا یہ قدرتی اثر ہے کہ مسلمان ہر ایک انقلاب کی حالت میں خوشی سے بسر کریں مذہب اسلام کا ہرگز یہ نشاء نہیں ہے کہ کسی قوم یا مذہب والے کی طرف سے دل میں عداوت اور کینہ اور بغض قائم کیا جاوے جو بالکل انسانی کے برخلاف ہے قرآن شریف کی تمام مذکورہ بالا آیات کا مطلب یہ ہے کہ جو غیر مذہب والے مسلمانوں سے دین کے معاملہ میں لڑتے ہیں اور مسلمانوں کو اُنکے گھروں سے نکالا ہے اُن سے محبت اور دوستی نہ رکھنا چاہئے اُن سے صرف اس قدر معاملت جائز ہے جس سے اپنا بچاؤ رہے اور یہ اخلاق انسانی کا ایک ایسا معتدل حصول ہے جس سے کسی مذہب کا آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا کہ دو لشکر جو آپس میں مقابل ہوں اُن میں سے ایک گروہ کے بعض لوگ دوسرے گروہ والوں سے دوستانہ راہ و رسم جاری کریں اور اپنے لشکر کی سب خبریں دوسرے لشکر والوں کو پہنچاویں اور لشکر کے ضعف اور غنیم کی قوت کا باعث ہوں۔ پس جہاں جہاں مسلمانوں کو غیر مذہب والوں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے وہ سیاسی قسم کی دوستی اور محبت ہے نہ وہ دوستی اور محبت جو من حیث العاشرت ایک انسان کو دوسرے انسان سے لازمی ہے +

فرمایا اللہ پاک نے قرآن نبرگ میں لاینها کمدا اللہ عن الذین لم یقاتلوا کم فی الدنیا ولم
یعز جو کم من دیار کم ان تبروا ہم و تقسطوا الیہم ان اللہ یحب المقسطین انما ینہا کم اللہ عن
الذین قاتلوا کم فی الدین و اخرجوا کم من دیار کم و ظاہر و اعلیٰ اخراجکم ان تولوا ہم و من
یتوالہم فاولئک ہذا الظالمون۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم کو اس بات سے منع نہیں کرتا کہ جو لوگ تم سے دین کے
معاملہ میں نہیں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا انکے ساتھ تم احسان اور انصاف کرو
بیشک اللہ انصاف والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ جس بات سے تم کو منع کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ دین میں
تم سے لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا تم کو تمہارے گھروں سے نکالنے میں اوروں کی مدد کی ان سے
دوستی کرو اور جو لوگ ان سے دوستی کریں گے وہ ظالم ہیں۔ یہ آیت تمام آیات ترک موالات اور ترک رفاقت
و غیرہ کی صاف صاف تفسیر ہے جسکے سامنے کسی اور تفسیر کی حاجت نہیں ہے +

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مذہب والوں کے تحائف قبول کئے ان کی دعوتیں منظور کیں جو بالکل محبت
کے مقدمات ہیں۔ خدا نے ہم کو یہ اجازت دی کہ جن غیر مذہب والوں سے تمہاری دینی لڑائی نہیں ہے ان سے
ملو اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ہم کو اپنے مذہب کی رُو سے لازم ہے کہ جہاں ہم محکوم ہوں یاں اپنے
حاکم کی اطاعت کریں اور جہاں غیر قوموں پر حاکم ہوں یاں اپنے محکوموں کی واجبی رعایت کریں ان کی
شراب کی ایسی ہی حفاظت کریں جیسی اپنے سر کر کے اور انکے سوروں کی ایسی ہی نگہداشت کریں جیسی اپنے
دنبوں کی ہم کو یہ بھی تاکید ہے کہ جب ہم کسی سے عہد کیس تو مضبوطی سے اس پر قائم رہیں کہ یہ سب باتیں
مجموع من حیث المجموع باہم محبت اور دوستی کو مستحکم کرتی ہیں +

خدا نے خود ہم کو اس بات سے مطلع فرمایا ہے کہ نصارے تمہارے ساتھ زیادہ دوستی کریں گے کما قاتل
ولتجدن اقربھم مودۃ اللذین امنوا الذین قالوا اننا نصلمی ذلک بان منہم قسیسین
ورہبانا و انہم لایستکبرون بعض دوستیاں اس قسم کی بھی ہیں کہ گویا ایک فریق دوستی کا اظہار کرے
لیکن دوسرے فریق کو اس سے کنارہ ہی کرنا املے ہے لیکن خدا نے نصارے کی اس دوستی کی علت بھی
بیان فرمادی تا کہ کسی کو شبہ نہ رہے کہ وہ دوستی کس قسم کی ہوگی اور فرمایا کہ وہ اس واسطے تمہارے دوستدار
ہونگے کہ ان میں عالم ہیں اور رویش ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے یعنی ان کی طرف سے یہ دوستی تمہاری
نسبت کمال تہذیب کے سبب ہوگی جیسا عام دستور ہے کہ ایک مذہب انسان دوسرے مذہب انسان سے
محبت اور دوستی سے پیش آتا ہے۔ پھر کیا مسلمان ایسے نامذہب اور وحشی ہو جاویں گے کہ جعفر قرآن کا دوست
ہو اور دوست بھی ایسا دوست جس کی دوستی کی خبر خدا نے ہم کو دی اس کیساتھ بھی وہ نفرت پیش آویں

کیا مسلمان کبھی انگلستان اور فرانس کے نصاریٰ کے ان احسانات کو بھول سکیں گے جو کریما کی لڑائی میں ان کی طرف سے مسلمانوں کی سلطنت اعظم نہیں نہیں بلکہ مسلمانوں کی مذہبی عزت برقرار رکھنے اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اسلام کا جھنڈا قائم رکھنے کے واسطے برتی گئی۔ اس لڑائی میں ہمارے یہ مددگار جن کو خدا جزائے خیر دے خاص اپنے مذہب یعنی روسیوں کے مقابلہ پر جنہوں نے ظلم پر کمر باندھ ہی تھی کدھ سے کدھ اور سینہ سے سینہ ملا کر لڑے اور جہاں ہمارا خون گرا وہاں انہوں نے اپنے خونوں کی بھی دھاریں بہا دیں اور ہمارے دشمنوں کو مغلوب کیا اور حرمین شریفین پر جن کا نام لے کر ہمارے عالم و جد میں آجاتے ہیں ہمارا قبضہ قائم رکھا مگر یہ سب اس لئے ہوا کہ سلطان روم خلد اللہ ملکہ اپنے ان مددگاروں سے نہایت صفائی اور خلوص کے ساتھ دوستانہ ملا۔ بخارا میں اس کے برخلاف اور علما و ناما عاقبت اندیش کی مرضی کے مطابق کام ہوا غارت ہو گیا پھر کیا مسلمانوں پر یہ فرض نہیں ہے کہ جب کبھی خدا نخواستہ اور نصیب ادا کوئی موقع آوے تو جہاں ہمارے ان مددگاروں کے پسینا گرنیکا احتمال ہو وہاں اپنے خون کے لئے بہا دیں۔ اب ہم اپنے عالموں سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا ایسے ایسے معاملات کے بعد بھی دو مختلف قوموں کے باہم سچی محبت اور دوستی نہیں ہو سکتی مگر افسوس جو شخص یہ بھی نہ جانتا ہو کہ انگلستان اور فرانس کی مودیسی اور کریما کسی ہائز کا نام ہے یا کسی زبان کا لغت ہے اور کجا روس اور کجا مکہ و مدینہ۔ وہ کیا خاک ان باتوں کا جواب دے سکتا ہے

ایں اصدے و از شمس باز غننے آید

خدا نے ہم کو اجازت دی کہ ہم اہل کتاب عورتوں سے نکاح کریں پس جو اولاد ان عورتوں سے ہوگی کیا وہ اپنی ماؤں سے ملی پیار اور محبت نہ کرے گی معذرت جعفر استحقاق بیبیوں کے خاوند پر ہماری شریعت کے بموجب ہیں اور جیسی کچھ رعایت اور محبت اور حسن اخلاق ہم کو مسلمان بیبیوں کے ساتھ برتنا چاہئے وہ سب ہم کو ان اہل کتاب بیبیوں کی نسبت برتنا ضرور ہوگا ورنہ ہم گنگار ہونگے پھر کیا یہ ہو سکتا ہے کہ وہی خدا غیر مذہب والوں سے ایسے ایسے رشتوں اور قرابتوں کو جن میں محبت ثواب اور ترک محبت گناہ ہو ہمارے لئے جائز کرے اور خود ہی طارے واسطے اور قوموں کو ہمارا دوست ٹھہرا دے اور پھر وہی خدا ہم کو یہ حکم دے کہ تم ان سے بغض و عداوت کرو یہ خدائی کا ہیکو ہے یزانیوں کی ظلیات یا لڑکوں کا کھیل ہے۔ و لہذا

ہمتان عظیمہ

گر مسلمان ہیمن است کہ واعظ گوید

و اے گرد پس امروز بود فردائے

مسلمانوں کو یہ بات بھولنا نہ چاہئے کہ قرآن شریف تمام کتب سماوی کا مصدق ہے جس میں خلیل کی خلاق

ہدایتیں بھی شامل ہیں اور یہ بھی اُن کو معلوم ہے کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ایک بڑی غرض یہ بھی تھی کہ اخلاق انسانی اپنے حد و کمال کو پہنچ جاوے مسلمان اس نبی برحق کی اُمت میں ہیں جس کی تعریف میں خدا ارشاد فرماتا ہے۔ **وَاَنذَرْتُ لَعْنَةَ خَلْقٍ عَصِيْدٍ** اور جس کا خطاب **رحمۃ للعالمین** ہے ہمارا مذہب تمام نیکیوں کا سرچشمہ اور ہر ایک قسم کے انسانی اخلاق کا مکمل اور متمم ہے پس مسلمانوں کو چاہئے کہ گزشتہ خیالات پر صلوٰت لکھ کر آئندہ ٹھیک ٹھیک خدا اور رسول کی مرضی اور مشائخ کے مطابق کام کریں۔ ہمارا کمال اسی میں ہے کہ کوئی مسلمان ہو یا غیر مسلمان۔ دوست ہو یا دشمن سب کے ساتھ ہم سلوک اور محبت کے پیش آویں اور جس محبت کے ابتک ہم اپنی نا سمجھی کو سبک محروم ہے آئندہ اُسکے حصول کی واسطے بل کوشش کریں اور اُس کمر بانی اثر کو کام میں لاویں جو ہمارے سچے مذہب کے ہم میں غیروں کو اپنی طرف مائل کر نیکی غرض سے رکھ دیا ہے۔ اب مسلمانوں کو ضرور ہے کہ جس فائدہ پر انداز مصلحت کے اترنے ہماری شریعت کے وسیع دائرہ کو دو غیر مساوی حصوں میں تقسیم کر کے ایک بہت چھوٹا حصہ ہماری بسر زندگی کے قید خانہ کی واسطے خاص کر دیا ہے کہ اُسی میں چاہیں ہم میں چاہیں ہم زندہ رہیں اُس مصلحت خلاف کو درمیان سے اُٹھا کر اور تنگ قید سے آزاد ہو کر اپنی شریعت کے پورے دائرہ کی وسعت میں خوشی اور خورمی سے گلگشت کریں اور ان خدا داد نعمتوں پر اپنے خدا کا شکر ادا کریں ۔

مہمان و میزبان

مہمانی اور میزبانی کی خوبیاں اور برکتیں ایسی صریح اور صاف ہیں کہ اُن کے بیان کی کچھ حاجت نہیں ہے آپس میں محبت اور ارتباط بڑھانے کے واسطے یہ رسم بہت ہی مؤثر ثابت ہوئی ہے۔ اس رسم سے غیر بھی اپنے ہو جاتے ہیں بلکہ دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں اور اُسی کے جاری نہ ہونے سے قریب تر عزیزوں کی قدرتی محبت میں بھی کمی آجاتی ہے۔ پس جو شے اس قدر مفید ہو مناسبت ہے کہ وہ ہر ایک قسم کے نقصانات اور خرابیوں سے پاک و صاف ہے ورنہ اُسکے تمام فائدے برباد ہو جاویں گے لیکن جس طریقہ پر اس عرصہ میں ہم لوگوں میں مہمانی اور میزبانی ہوتی ہے وہ کچھ مفید نہیں ہے بلکہ اعتراض کے قابل ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ موجودہ رسم و رواج کے سبب اکثر اوقات مہمان اور میزبان دونوں کو تکلیف ہوتی ہے اس لئے ضرور ہے کہ مسلمان موجودہ طریقہ مہمانی اور میزبانی پر غور کریں اور جس قدر صلاح اس میں ضروری ہو وہ عمل میں لاویں ۔

اب ہم اُن خرابیوں کا بیان کرتے ہیں جو قابل اعتراض ہیں سب سے بڑی غلطی جو اکثر مسلمانوں کی طرف سے ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے میزبان کو پہلے سے اپنے ان کی خبر نہیں کرنے حالانکہ اس بخیر وارہ ہونے سے

میزبان کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اور خود مہمان کو بھی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے علاوہ اسکے اس طرح پیہنجر کسی کے مکان پر بطور مہمان کے وارد ہونا خلاف تہذیب بھی ہے +

اکثر یہ ہوتا ہے کہ گھر والے کھانے سے فارغ ہو جاتے ہیں اسکے بعد مہمانوں کی آمد ہوتی ہے اور اُس وقت ایک تازہ تشویش پیش آتی ہے اور تو کھانا کچھ سرانجام نہیں ہوتا اور ادھر یہ خیال ہوتا ہے کہ مہمانوں کے واسطے کھانے میں دیر نہ ہو۔ نوکر چاکر جن کو دوبارہ پھر چوڑھا جھوٹا پڑتا ہے جدل میں ناخوش ہوتے ہیں اور اگر کبھی ات کو ناوقت یہ مہمان اُری پیش آگئی تو اور زیادہ مصیبت آتی ہے اور یہ آفت خاص کر اُن مقامات میں زیادہ آتی ہے جو ریل کے اسٹیشنوں سے قریب ہیں اب یہ ہوتا ہے کہ رات کی گیارہ بج چکے ہیں یا رات ڈھل گئی ہے اور پچھلا پہر ہے سب لوگ اپنے آرام کی نیندیں لے رہے ہیں کہ یکایک دروازہ پر سے آوازیں آتی تفرع ہوئیں (کوڑا کھو لو کوڑا کھو لو) پھر بعض سوئیولے ایسے غافل سوتے ہیں کہ مشکل سے جاگتے ہیں یا دروازہ سے بہت فاصلہ سے ہوتے ہیں یا جاڑوں کے موسم میں مکانوں کے اندر کو اثر بند کر کے سوتے ہیں ایسی صورت میں پیہنجر آئیولے مہمان کو گھڑیوں پکارتے پکارتے اور چلاتے چلاتے اور کوڑا کھٹکھٹانے اور زنجیریں ہلاتے گزر جاتے ہیں اور جب ان تمام مشکلات کے بعد کوڑا کھٹکے اور صاحب خانہ بھی بڑی بے لطفی اور تکلیف کے ساتھ جگا گیا تو اب خیال کر لینا چاہئے کہ اُس غریب اُس وقت کیا گذرتی ہوگی۔ پھر کبھی یہ ہوتا ہے کہ مکان مختصر ہے یا اُس میں پہلے سے اور مہمان فروکش ہیں اور مکان میں زیادہ جگہ نہیں ہے یا صاحب خانہ کسی ایسی تشویش میں ہے کہ اُس کو اپنے مہمانوں سے باطنیانہ وحشی منہ کی فرصت نہیں ہے ان تمام باتوں کے لحاظ سے ضرور ہے کہ اپنے آنے سے قبل اپنے میزبان کی تمام کامیابی اطلاع دیا جائے اور نہایت صفائی قلب اور دوستی کی بات یہ ہے کہ اگر کسی وقت میزبان یہ اطلاع دے کہ مجھ کو ملنے کی فرصت نہیں ہے تو بغیر کسی ملال خاطر کے اپنے ارادہ کو ملتوی کرنا چاہئے میں نے بعض اوقات یہ بھی دیکھا ہے کہ ایسے میزبان نے اپنی تکلیف بچانے کے واسطے یا مہمان کے آرام کی نظر سے مہمان کو کسی اور مکان میں اتارا تو مہمان نے دل میں بہت ہی برا مانا حالانکہ میزبان کا یہ برتاؤ کسی طرح تضرع کے لائق نہیں ہوتا بلکہ بڑی عمدہ بات خیال کی جاتی ہے +

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ گا کہ جن خرابیوں کا ذکر اس مضمون میں ہے نہ صرف اُس حالت سے متعلق ہیں جبکہ مہمان اور میزبان میں باہم نہایت دوستی نہ ہو مگر یہ خیال غلط ہے اسلئے کہ یہ ایسے امور ہیں جو بطور واقعات کے پیش آتے ہیں جن میں زیادہ دوستی ہوتے یا نہ ہونے کو کچھ مائدہ نہیں ہے +

کبھی اس پیہنجر انیکا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اصل مقصدِ وفات ہو جاتا ہے جس سے ملنا مقصود ہوتا ہے +

مکان پر نہیں ملتا اور زیادہ افسوس اس وقت ہوتا ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج ہی یا ابھی آپ کے تشریف لانے سے تھوڑی ہی دیر بعد فلاں مقام کو سوار ہو گئے اور تب حسرت کے ساتھ وہاں سے لوٹ جانا ہوتا ہے اور یہ ایک کافی سزا اپنے بلا اطلاع آنی کی اس وقت آینا لے کو مل جاتی ہے +

اس بخیر آنیکے علاوہ چند اور خرابیاں بھی بیان کے لائق ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ بعض میزبانوں کے مزاج میں تکلیف اس قدر ہوتا ہے کہ ان کا معان بھی تنگ آ جاتا ہے ان نکلمات کی وجہ سے کھانا اکثر دیر میں ملتا ہے اور تکلیف ہوتی ہے اور میزبان کو بھی زیادہ عرصہ تک اپنے عزیز معان کا قیام ناگوار معلوم ہونے لگتا ہے اور اس کے آنی کی وہ ساری خوشی اس کی موجودگی ہی میں جاتی رہتی ہے +

سعدی علیہ الرحمۃ کسی مقام پر اپنے ایک دوست کے ہاں معان ہوئے ان کے دوست نے بہت اہتمام سے ان کی معان داری کی بہت تکلف کے کھانے پکوائے اور بڑی شان کے ساتھ دسترخوان چنا گیا شیخ نے جب یہ سامان دیکھے تو بے اختیار اس کی زبان سے یہ نکلا۔ ہائے دعوت شیراز۔ صاحب خانہ یہ سمجھا کہ دعوت کے اہتمام میں کچھ کمی رہی اس لئے اس نے دو ستر تیسرے وقت میں پیش از پیش اہتمام کیا لیکن ہر مرتبہ شیخ نے وہی افسوس ظاہر کیا آخر شیخ نے جب دیکھا کہ اب میزبان کو بہت تکلیف ہوتی ہے تو اس نے اپنی اقامت کو مختصر کیا اور میزبان سے رخصت ہوا کچھ عرصہ بعد اس کے اس میزبان کا گزر شیراز میں ہوا اور شیخ کے ہاں اتر اور دل میں اس بات سے بہت خوش تھا کہ اب شیراز کی دعوتوں کے اہتمام دیکھنے میں آئیے جب کھانیکا وقت آیا تو شیخ گھر میں گیا اور وہاں سے ہی روزمرہ کا سیدھا سا دھا کھانا لے آیا اور اپنے دوست کے سامنے کھدیا اور کہا کہ بسم اللہ کیجئے۔ اس وقت شیخ کے دوست کو بہت ہی حیرت ہوئی اور اس نے آہستہ آہستہ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کھانا شروع کر دیا۔ شیخ نے اس کی حیرت کو دیکھ کر کھانا کھا چلنے کے بعد اس سے کہا کہ اے دوست دعوت شیراز سے میرا یہی مطلب تھا۔ تم نے میرے اسطے بہت تکلف کیا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر میں زیادہ قیام کرتا تو تم کو سخت ناگوار گذرتا اور میری معافی خوشی کی جگہ ملال سے تبدیل ہو جاتی اس لئے میں نے اس وقت مجبور ہو کر اپنی امت قامت کو مختصر کیا اور جس غرض سے میں ہاں گیا تھا وہ بھی پوری ہوئی نہیں اچھی طرح وہاں ٹھہر سکا نہ سیر کر سکا اور جلدی سے رخصت ہوا یہاں اب آپ جس قدر مدت تک چاہیں قیام کریں جتنے روزوں آپ پہنچے میری خوشی بڑھتی جاوے گی +

میرا مطلب اس حکایت یہ نہیں ہے کہ اپنے دوستوں کی معافی کے زمانہ میں ان کی خوشی خاطر کے لئے مطلقاً توجہ نہ کی جائے نہیں بلکہ میرا یہ مطلب ہے کہ جو کچھ کیا جائے ایسے اعتدال سے کیا جائے جو آئندہ بوجھ سکے اور معان کے قیام سے سوائے خوشی کے دوسری بات ماحل نہ ہو +

ان تکلیفات کے علاوہ ایک ذرا ہتمام بھی جو اکثر عمل میں آتا ہے مہمان اور میزبان دونوں کے لئے سخت تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور وہ مہمان اور میزبان کا ساتھ کھانے پر اصرار کرنا ہے اگر اتفاق سے انہیں سے کوئی باہر کو چلا گیا اور آنے میں دیر ہوئی تو دوسرے صاحب اُنکے منتظر رہتے ہیں اور کھانا نہیں کھاتے اور جب زیادہ دیر ہوتی ہے تو جی میں نہایت تنگ ہوتے ہیں۔ تلاش کے واسطے چاروں طرف کو آدمی دوڑائے جاتے ہیں اور جب بڑی سی دیر کے بعد دوسرے صاحب آئے تب کھانا نصیب ہوتا ہے اگر اتفاق سے کسی صاحب خانہ نے بلا انتظار اپنے مہمان کے کھانا کھا لیا اور مہمان صاحب بعد کو آئے تو بہت کم مہمان اس مزاج کے ہوتے ہیں جو میزبان کے اس برتاؤ سے برا نہ مان جاتے ہوں۔ میں نے خود ایک دفعہ یہ دیکھا ہے کہ ایک مہمان جو باہر کو گئے ہوئے تھے جب وہ ایک بجے تک بھی نہ آئے اور صاحب خانہ نے ظہر کی نماز بھی پڑھ لی تب مجبور ہو کر بلا انتظار مہمان کے کھانا کھا لیا اُس کے بعد مہمان صاحب سیر کر کے بھوکے پیاسے واپس تشریف لائے اور تھک کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ آج تو مرے جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ بھوک بھی اُن کو لگی ہوئی ہے اور بشرط سے بھی ایسا ہی ظاہر ہوتا تھا لیکن جب اُنہوں نے یہ سنا کہ صاحب خانہ نے کھانا کھانے میں میرا انتظار نہیں کیا تو نہایت ہی بُرا مانا یہاں تک کہ کھانا بھی نہ کھایا اور یہ عذر کر دیا کہ میں بھی کھانا کھا چکا ایک دست لگئے تھے اُنہوں نے بغیر کھانا کھائے نہ اُٹھنے دیا اب غور کرنا چاہئے کہ ان حماقتوں کا کیا نتیجہ ہوگا کہ اس مہمانی اور اس میزبانی سے کچھ محبت اور خوشی بڑھ سکتی ہے ؟

ایک اور خراب طریقہ یہ ہے کہ مہمان کو کوئی موقع تخلیہ اور آرام کا نہیں ملتا اور یہ خرابی دو وجہ سے پیدا ہوتی ہے اول اس لئے کہ ہمارے مکانات کا طرز خراب ہوتا ہے۔ دوم ملنے جلنے کا طرز بھی اچھا نہیں ہے۔ ہمارے مکانات اس طرح پر علیحدہ علیحدہ حصوں میں تقسیم نہیں ہوتے کہ ہر ایک شخص کے لئے بغیر اسکے کہ اُوروں کو تکلیف ہو آرام کے ساتھ تخلیہ ممکن ہو ایک ہی کھانا ہوا مکان ہوتا ہے وہی اپنے بیٹھنے اُٹھنے کا وہی مہمانوں کے قیام کا۔ اگر کوئی بیٹا ہے تو اُسی مکان میں ہے چوتھرہ کے نیچے نال بھسکا بھی اُسی کے سامنے چڑھا ہوا ہے ایک طرف کوٹاں لڑکے بھی اُسی مکان میں پڑھا ہے ہیں وغیرہ وغیرہ اور اسلئے صاحب خانہ مجبور ہوتا ہے اور اپنے مہمان کے لئے کوئی موقع تخلیہ کا آسانی سے موجود نہیں کر سکتا اس خرابی کا دور کرنا بالکل غریب اور متوسط الحال شخصوں کے اقتیاء سے باہر ہے لیکن اگر اس طرف توجہ کرنا ضرور ہے چنانچہ بعض امراء اپنے نو تعمیر مکانات میں اس قسم کی رعایتیں اب ملحوظ رکھتے ہیں یا اُنکے متعدد مکانات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے یہ وقتیں اُن کو کتر پیش آتی ہیں لیکن اکثر امراء کو اب تک بھی اس طرف توجہ نہیں ہے اور اُن کی پچاس پچاس ہزار اور ایک ایک لاکھ روپیہ کی عمارتیں اب تک بھی

اکثر اُسی پرانہ نقشہ پر بنائی جاتی ہیں جن میں نہ سوئی کا آرام نہ گرمی کا نہ مہمان کے لئے کوئی تنخلیف ممکن نہ اپنے لئے پس اگر امار اس طرف توجہ کریں تو آخر کار متوسط الحال شرفاء بھی اُن کی پیروی کریں اور رفتہ رفتہ غبار بھی حتی الامکان اُنہیں کی تقلید کرنے میں ساعی ہوں +

ایک اور تکلیف مہمان اور میزبان کے طرز ملاقات سے پیدا ہوتی ہے جس وقت مہمان کسی اپنے دوست یا عزیز و قریب کے مکان پر وارد ہوا صاحب خانہ اور اُس کے عزیز و اقارب اور دوست و آشنا سب اُس مہمان غریب کے گرد ہوئے اور گھڑیوں اور گھنٹوں بلکہ پردوں اُس کے پاس مٹھنا شروع کیا ایک صاحب اُٹھ کر تشریف لیگئے تو دو صاحب اُرد موجود ہوئے غرض ہر وقت یہ جلسہ اُس کے پاس رہنے لگا اب جتنا کوئی مہمان کسی کو عزیز ہو اُسی قدر یا ہتمام زیادہ ہوتا ہے اور زیادہ عزیز کی مٹی زیادہ خوار ہوتی ہے۔ بہت ہی کم ہم سے اول ایسے بنے تکلف مہمان ہوتے ہیں جو اس جم غفیر کا کچھ ادب اور لحاظ نہیں کرتے اور اپنے آرام میں خلل نہیں ڈالتے اور میزبان بھی ایسے بہت کم ہیں جو اپنے مہمان کی تمکانات اور صعوبات سفر کے لحاظ سے اُس کے آرام و آسائش کا خیال کرتے ہوں اور بخوشی خاطر اُن کو ایسا موقع دیتے ہوں کہ جتنا کہ چاہیں آرام کریں اور خط و کتابت وغیرہ کا جو کچھ مشغل وہ چاہیں تنخلیف میں اطمینان کے ساتھ کر سکیں۔ ایک اور بڑی مشکل یہ ہے کہ مہمان بھی چونکہ ہماری ہی جنس سے ہوتے ہیں اور اسی قسم کے تپاک اور طرز ملاقات کے عادی ہوتے ہیں۔ اس لئے ایسا بھی اکثر ہوتا ہے کہ اگر کوئی میزبان یا میزبان کا کوئی عزیز و قریب اپنے مہمان کے پاس زیادہ حاضر نہ رہے تو مہمان صاحب بھی بُرا مان جاتے ہیں اور حماقت سے یہ سمجھ کر کہ ہماری کچھ قدر و منزلت نہ ہوئی خود اپنی نظروں میں حقیر اور تھوڑے تھوڑے ہونے لگتے ہیں اس لئے صاحب خانہ اپنے مہمان کے سر پر ہر وقت ایک بک بک کر نیوالا پر متعین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ کیسی کچھ وقت اور تکلیف کی بات ہے، اور چونکہ ہم خواہ بہ حیثیت مہمان اور خواہ بہ حیثیت میزبان اس قسم کی تکلیفیں جھیلنے کے عادی ہو رہے ہیں اور اپنے بیش بہا وقت کو راگناں کھونے میں نہایت مشاق ہیں اس لئے یہ برتاؤ ہم کو کچھ زیادہ ناگوار نہیں گذرنا ورنہ وہ شخص جو اپنے وقت کی کچھ بھی حفاظت کرتا ہو ایک دن کی واسطے بھی کبھی کسی کے ہاں اس طرح مہمان ہو کر یا ایسے کسی طعنہ شاہ کا میزبان ہو کر خوش نہیں رہ سکتا +

مہمانی اور میزبانی کی ان تمام مذکورہ بالا مصیبتوں کے علاوہ اور بہت سی ایسی ہی یہودہ باتیں ہیں جو ہم لوگوں میں رائج ہیں اور جن کے بیان کرنے کے واسطے ایک مستقل سالہ مرتب ہونا چاہئے اس لئے میں اُن کی طول و طویل تفصیلات میں پڑنا ضروری نہیں سمجھتا اور یہیں خیال کرتا ہوں کہ اگر وہ بڑی بڑی خرابیاں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا رفع ہو جائیں تو اور چھوٹی چھوٹی خرابیاں بھی جو انہیں بڑی خرابیوں سے پیدا

ہوتی ہیں خود بخود دفع ہو جاویں گی لیکن ختم مضمون پر اس تازہ مصیبت کا تذکرہ البتہ مناسب ہے جو مہمان کو رخصت کے وقت فرمان واجب الاذعان آملن بہ ارادت و رفیق بہ اجازت سے پیش آتی ہے +

مہمان نے اب ڈرتے ڈرتے اور نگاہیں نیچی کر کے صاحب خانے سے رخصت ہونی کی اجازت چاہی مگر صاحب خانے نے صاف انکار کیا۔ مہمان ہرچہ منت کرتا ہے اور اپنی سخت سخت ضرورتیں بیان کرتا ہے لیکن صاحب خانہ راضی نہیں ہوتے اس مجلس میں اور جس قدر صاحب موجود ہوتے ہیں وہ بھی اپنا فرض ہی سمجھتے ہیں کہ صاحب خانہ کی تائید کریں وہ بھی مہمان کو قیام کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور اس نے کسی کے گھٹنے میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں دکھائی دیتا جو خدا لگتی ہوئی کمرے اور مہمان کی بیکسی پر بھی رحم کرے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ ابھی آپ کہاں جاوینگے کوئی فرماتے ہیں کہ خاں صاحب کا کتنا پیچھے نہ ڈالے خاں صاحب نے رخصت جدا تو تھری چھانے ہوئے فرماتے ہیں کہ کبھی نہ کبھی تو آپ تشریف لائے اور آتے ہی جانیکی سنائی آپ کے اس لئے سے نہ آتا تھرتھا دنیا کے کام چلے ہی جاتے ہیں یہاں آپ کب کب آتے ہیں المختصر یہاں تک اس مہمان کو تنگ کیا جاتا ہے کہ وہ سخت رنج میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنے دل میں کہتا ہے کہ اکی میں کس غدا میں آگیا اور کیوں کر اس سے نجات ہوگی اور اپنے آنے پر نہایت افسوس کرتا ہے اور قدر ویش برجان و ریش ایک مقام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ پھر کیا یہ قیام فریقین میں کچھ محبت اور خوشی کو بڑھا سکتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں بڑھا سکتا۔ بلکہ برعکس اس کے دلوں کو رنجیدہ کر دیتا ہے +

اگر کوئی سخت بے جیا مہمان ہو اور اس نے نالائقی سے اپنے شفیق میزبان کے اصرار پر کچھ خیال نہ کیا اور سمجھا نیوالوں کی بات بھی نہ مانی اور چلنے کا ارادہ معصوم کر لیا تو اب یہ خیال کسی طرح اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا کہ کھانا کھا کر جانا ہوگا اور یہ اصرار خالصکراں مقامات میں مہمانوں کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے جہاں ریل کے اسٹیشن قریب ہیں اور مسافروں کو ریل کے ذریعہ سے سفر منظور ہوتا ہے اکثر یہ ہوتا ہے کہ اثناء سفر میں کوئی دوست اپنے دوست سے ملنے کے واسطے جو کسی اسٹیشن سے قریب ہوتا ہے اتر اور یہ ارادہ کر لیا کہ دوسرے وقت کی ریل میں چلا جاؤں گا ایسے مسافروں سے بھی جب یہ معمولی تکلف آمیز جھگڑے اوتھے پیش آتے ہیں تو ان کو سخت حیرانی ہوتی ہے +

اُدھر ریل کے وقت میں صرف ایک گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے یہاں صاحب خانے کے ہاں نوکر بازار سے گوشت لیکر بھی نہیں لوٹا مہمان کہتا ہے کہ برائے خدا مجھ کو رخصت کیجئے لیکن صاحب خانہ اس میں اپنی نہایت ذلت سمجھتے ہیں کہ بغیر کھانا کھائے یا کھانا ساتھ لے مہمان گھر سے رخصت ہو سب نوکر بھی بازار سے آگیا اور ریل کا وقت بھی بہت نزدیک پہنچا اور مہمان پر ایک سخت اضطراب کی حالت طاری ہوئی

کبھی وہ اپنے اس خوف کو کہ ریل چلی جائے گی اور میں وہ جاؤں گا شرم سے ضبط کر کر چکا ہوں اور کچھ دیر کے بعد گھبرا یا اور کسی دفعہ چلنے کے قصد سے اٹھنا چاہا مگر صاحب خانہ نے نہ اٹھنے دیا آخر جب وقت بہت ہی نیک آگیا اور صاحب خانہ کو بھی کچھ ندامت سی ہوئی تو وہ بھی جلدی سے اٹھے تو کہ بازار کو پھر بھاگا کچھ مٹھائی بازار سے آئی کچھ آدھا کچا آدھا پکا کھانا میزبان صاحب گھر میں سے لائے اور ہزار سرعت و ستابی مہمان نے دس پانچ قلمہ کھائے اور تھوڑا سا کھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میزبان صاحب اب بھی مقصر ہوئے کہ اپنے کچھ نہ کھایا اور کھائے غرض جس طرح سے ہوا وہ کجنت مہمان صاحب خانہ سے حصت ہوا شرک پر دوڑ کر خدمتگار نے پان دیا اب مہمان صاحب بھاگ بھاگ اسٹیشن کو چلے راستہ میں ریل کی آواز سنائی دی اور بھی اوسان خطا ہوئے گاڑی والہ سے تقاضا ہوا کہ جلدی چلو اور کچھ دوڑ پہنچ کر انعام کا بھی وعدہ کیا گیا اُس نے بھی بے تماشہ گاڑی دوڑائی اور ریل چھوٹنے سے بھی پہلے اسٹیشن پہنچا دیا اور کرایہ اور انعام لیکر علیحدہ ہوا اسٹیشن کے مزدور چلائے کہ پہلی گھنٹی ہو چکی ہے جلدی چلو ٹکٹ گھر میں پہنچ کر جلدی سے ٹکٹ لیا اتنے میں دوسری گھنٹی بھی ہوئی میاں اور مزدور دوڑے جب ہی اسٹیشن کے اندر کے چوترہ پر آئے تیسری گھنٹی ہوئی سیٹی بجی اور ریل نے آہستہ آہستہ آگے کو بڑھنا شروع کیا اب مہمان کجنت حیران کھڑا ہے اور حسرت کیسا تھخہ ٹہین کی اُس نرم نرم رفتار کو دیکھ رہا ہے اسباب لے مزدوروں نے سمجھایا کہ میاں آپ ہی نے دیر کوئی جانا تھا تو گھڑی بھر پہلے سے آئے ہوتے اب چلو دوسرے وقت کی ریل پر جانا یہ سنکر مہمان غریب لوٹا اور پھر گاڑی کرایہ کر کے میزبان صاحب کے مکان پر آیا۔ راستہ میں سو سو طرح کے غمگین خیالات نے اُس کو بخیہ کیا جب مہمان صاحب مکان پر آئے تو میزبان صاحب دُور سے دیکھتے ہی بے اختیار ہنس پڑے اور فرمانے لگے کہ کیسے ریل پر ہوا آئے اپنے تو کمال کر دیا کہ تھوڑی ہی دیر میں پہنچ بھی گئے اور پھر چھپے بھی آئے ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ آج نہ جاؤ ہمارا کتنا نہ مانا یہ اس کی سزا ہے +

اب ہم اپنے اپنا نئے جنس سے اس طریق مہمانی اور میزبانی پر انصاف چاہتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ طریقہ تبدیل اور ترمیم کے لائق ہے یا نہیں کیا ایسے بڑاؤ کی حالت میں کوئی مہمان خوشی سے کسی اپنے دوست کے پاس آئیکا ارادہ کریگا۔ یہ کونسی آدمیت ہے کہ اپنے عزیز مہمان کی تمام ضرورتوں کی طرف سے آنکھیں بند کر کر قیام پر جا بلا نہ اصرار کیا جائے ایسی مصیبت کی حالت میں سفر کرنے والوں کو انفع و اقسام کی تکلیف ہوتی ہے وہ اپنے کرایہ و مقام کا کوئی انتظام اپنے اختیار سے نہیں کر سکتے اپنے وقتوں کی تقسیم پر قادر ہو سکتے ہیں اور اس کے علاوہ بہت سے ہرج اور نقصان جو اس قسم کی مزا حمت سے پیدا ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں ان کی وجہ سے بجائے طاقتوں کی خوشی کے ایک قسم کا ملال اور رنج پیدا ہو جاتا ہے

پس ہمارے خواہش یہ ہے کہ ہمارے اس مضمون کے پڑھنے والے ہمارے اس مضمون پر انصاف سے غور کریں اور جو رسم و رواج اصلاح کے قابل ہیں اُس میں مناسب اصلاح کریں تاکہ مہمانی اور میزبانی کی خوشیاں اور زیادہ ہوں اور مہمان یا میزبان کسی کو تکلیف نہ ہو اور وہ اصلا میں جیسا ہم نے اوپر مفصل بیان کیا ہے مفصلہ ذیل مراتب میں ہونا چاہئے +

اول حتی الامکان بلا اطلاع کسی کے ہاں آنے سے احتراز کرنا چاہئے گویا ہم کسی ہی بے تکلفی اور یگانگت ہو جہاں تک ممکن ہو اس قدر پہلے اطلاع دیجادے کہ جواب بھی آسکے ورنہ کم سے کم ایک دن پہلے میزبان کو اطلاع ہو جائے اگر بدرجہ مجبوری یہ بھی نہ ہو سکے تو رات کے وقت حتی الوسع کسی کے مکان میں پہنچنے سے کنارہ کیا جائے مگر جب ایسی کوئی سخت ضرورت پیش آجادے +

دوم۔ دعوت میں اس قدر تکلف نہ کرنا چاہئے جس سے اپنے عزیز مہمان کا قیام آخر کار ناگوار معلوم ہونے لگے بیچ بیچ کی چال ہمیشہ بہتر ہوتی ہے۔ وَخَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا +

سوم۔ یہ خیال بھی کہ میزبان و مہمان عموماً ساتھ ہی کھانا کھادیں ترک کرنا چاہئے کھانے کے معمولی وقت پر اگر کوئی فریق غیر حاضر ہو تو اُس کی حاضری کا انتظار نہ کیا جاوے اور فریق غیر حاضر کو دوسرے فریق کی اس کارروائی سے آزرہ نہ ہونا چاہئے +

چہارم۔ تخیل کے موقع کا بھی جہاں تک ممکن ہو خیال رکھنا چاہئے تاکہ مہمان اور میزبان دونوں کو آرام ہو ہر وقت کے پاس اُٹھنے اور بیٹھنے سے تکلیف بھی ہوتی ہے اور ملاقاتوں سے بھی جی گھبرا جاتا ہے اور امر او طرز عمارت کا بھی خیال کریں +

پنجم۔ آمدن بہ ارادت و رفتن بہ اجازت کے غلط اصول کو بھی منسوخ کرنا چاہئے اور دونوں باتیں آنے والے ہی کی مرضی پر منحصر کرنی چاہئیں تاکہ ہر شخص اپنے کوچ و مقام کا انتظام ٹھیک ٹھیک کر سکے +

انسان کی زندگی

انسان کی زندگی کی ٹرین بھی ریل کی ٹرین سے مشابہ ہے

ایک نوہ برس کا صوفی مشرب بڑھا جس کو اپنے اس فانی زمانہ کی بہ نسبت ہمیشہ کے آبیولے زمانہ کا زیادہ دھیان رہتا تھا ایک اتاریل میں سوار ہوا اُسکی ٹرین اسٹنہ میں متعدد اسٹیشنوں پر ٹھہرتی اور

مسافروں کو اتارتی اور سوار کرتی ہوئی پچھلی رات میں جبکہ چاندنی پھیل چکی پڑتی جاتی تھی اُس اسٹیشن پر پہنچی جہاں وہ بڑھا مسافر اترنے کو تھا جب ہی ٹرین اسٹیشن میں داخل ہوئی انجن کی نرم نرم رفتار اور ٹرین کی سیریلی آواز سے ملی ہوئی یہ صدائیں اُسکے کان میں آئیں ”ٹکٹ کھو لو ٹکٹ کھو لو“ وہ بڑھا مسافر اُن آوازوں کو سُکر چونک پڑا اور گزشتہ نوہ برس کا زمانہ ایک دفعہ اُس کی نظروں کے سامنے پھر گیا اُس نے خیال کیا کہ اسی طرح مرنے کے بعد ایک دن لوگوں سے اُن کے اعمال کا حساب طلب ہوگا پھر جتنا جتنا وہ پیر مرد خیال کرتا اور فکریں دوڑاتا تھا اُسی قدر اُس کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کی زندگی کا اور ریل کا بالکل ایک سا حال ہے۔ دونوں ٹرینیں ایک سی کیفیت سے منزلیں طے کر رہی ہیں +

اُس نے خیال کیا کہ جس ریل کے مسافر ایک صدیا میعاد معین تک کا ٹکٹ لیکر سوار ہوتے ہیں اور مقام مقصود پر پہنچکر اتر جاتے ہیں اسی طرح انسان ایک محدود زندگی خدا کے ہاں سے لیکر اس دنیا میں آتے ہیں اور وقت معینہ پر دنیا سے سدھاتے ہیں +

جس طرح ٹرین اسٹیشن میں مختلف اسٹیشنوں پر ٹھہرتی ہے اور بہت مسافروں سے اترتے ہیں بہت سوار ہوتے ہیں اسی طرح ہر نئے دن میں جو انسانوں پر گزرتا ہے اور جس کو انسانوں کی زندگی کا اسٹیشن کھنچا ہے بہت آدمی مرتے ہیں اور بہت سے نئے پیدا ہوتے ہیں +

جس طرح مسافر کو رستہ میں بہت خطرے پیش آتے ہیں اور ہر وقت اس لئے اُس کو ہوشیاری کرنی پڑتی ہے کہ چوراہے اور نہروں اُسکے مال و متاع کو نہ لجاویں اسی طرح اپنی زندگی میں ہر قفل انسان کو اس لئے ہوشیار رہنا پڑتا ہے کہ شیطان وقت بے وقت اُسکے ایمان کو برباد نہ کر دے +

ریل جس وقت کسی اسٹیشن پر پہنچتی ہے اُس اسٹیشن کے اُترنے والے اپنی گھڑی بھجھا لکھ ہوشیاری سے اپنے اپنے ٹکٹوں کو دیکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح انسان اپنے آخر وقت میں تائب ہو کر آدمیوں کی خطائیں بخش کر اور اپنی خطائیں بخشو کر مرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور ٹکٹ دیکھ لینے کی جگہ اپنے اپنے مذہبی خیالات کو تازہ کر لیتے ہیں۔ مسلمان کہہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ کا اقرار کرتے ہیں +

جس طرح ریل کے مسافر گاڑی کھلتے ہی ٹکٹ دیکر اسٹیشن سے باہر چلے جاتے ہیں اسی طرح وہ انسان جو بہت ہوشیاری سے آخر وقت تک اپنا ایمان سلامت لے جاتے ہیں جب ہی اپنی منزل پوری کر لیتے ہیں فرشتے اُس کا نامہ اعمال اور احوال دیکھ کر اُن کو زندگی کی تکالیف سے آزاد کر دیتے ہیں اور

جنت کے دروازے اُن پر کھول دیتے ہیں +

اگر کسی مسافر نے غفلت سے اپنا ٹکٹ کھو دیا تو ریل سے اترتے ہی پکڑا گیا ریل والوں نے اُس کو چوڑا سمجھ کر گرفتار کیا پہرہ متعین ہوا اُس کے ساتھ کے مسافر ٹکٹ دیتے جاتے ہیں اور جلدی جلدی اسٹیشن سے باہر چلے جاتے ہیں اور وہ گرفتار بلا سب کو حسرت دیکھتا ہے بعض دو تین دن بھی آئے جنہوں نے اپنا ٹکٹ گمادیا تھا اُن کو بھی ریل والوں نے روکا سپاہیوں نے اُن کو بھی ذلیل کرنا چاہا لیکن اُنہوں نے کہا کہ ہمارے پاس آمد نام موجود ہیں تب سپاہیوں نے اُن سے زیادہ مزاحمت نہ کی اور اُن کو اسٹیشن ماسٹر کے پاس لے گئے آدمی نامی گرامی تھے اسٹیشن ماسٹر نے اُن کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور اُن کی بڑی سی عزت کی لیکن اس بات پر اُن کو بہت شرمایا کہ آپ سے ایسی غفلت بڑے تعجب کی بات ہے مگر رنو کر چاکر اور ریل بیگ اور منی بیگ اور پالٹ بکیں آپ کے ہمراہ تھیں کیا ان میں آپ اپنے ٹکٹ کو محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے اور ٹکٹ کچھ بوجھل بھی نہ تھا آپ اپنی جیب میں بھی اُس کو رکھ سکتے تھے غرض کہ اسٹیشن ماسٹر نے اُن کو بہت ہی شرمایا اور آخر میں فرمایا کہ ابھی آپ میں پوری تہذیب نہیں ہے جب آپ پورے متدب ہو جائیں گے تو پھر کبھی ایسی غفلت نہ کریں گے مسافروں نے آخر کار اور نقد دام اپنے پاس سے اسٹیشن ماسٹر کو ادا کئے اور تھوڑی مزاحمت کے بعد وہ بھی رخصت ہوئے +

مگر وہ بیچارہ مسافر جس نے ٹکٹ بھی کھو دیا ہے اور آمد نام پاس نہیں سخت بیکسی کی حالت میں ہے حسرت سے اپنے ساتھیوں کو آسانی سے چلے جاتے ہوئے دیکھتا ہے اور اپنی خوار اور ذلیل حالت پر اٹھ اٹھ آنسوؤں سے رو رہا ہے بہت ہی کڑوے کڑوے خیالات اُس کے دل پر گزرتے ہیں مگر جب ہی اپنے کئے پر پشیمان ہے اور چپ بیٹھا ہوا ہے روپیہ پاس نہیں جو دو تین دن غافلوں کو کاہلوں کی طرح وہ بھی رہا پاتا اُس نے اپنا جیہ ریل والوں کے سامنے پیش کیا کہ اس کو لیلو اور مجھے آزاد کر دو لیکن اُس میں ستر بہتر سوراخ تھے کسی نے بھی اُس طرف التفات نہ کیا پھر اُس نے اپنی پھٹی پُرانی میسلی کچلی دستار اپنے سر پر سے اتار کر ریل والوں کے قدموں پر ڈالی کہ اس کو قبول کر دو اور برائے خدا مجھے چھوڑ دو مگر کسی نے یہ بھی نہ جانا کہ کون بکتا ہے اور کیا بکتا ہے آخر اُس نے اپنی جیب بٹولی اور اُس میں سے کچھ منسوخی پیسے نکالے اور ریل والوں کے سامنے پیش کئے کہ اب اسکے سوا میرے پاس اور کچھ نہیں ہے ریل والوں نے دو پیسے اُس سے لے لئے مگر وہ بھی ہائی کے لئے کتنی نہ ہوئے اور آخر کار اسی علت میں وہ مجسٹریٹ کے ہاں سے قید ہوا اور کچھ مہینے جیل خانہ کے عذاب اور ذلتیں بھگتنے کے بعد اُس نے اُس سوائی سے نجات پائی +

یہی حال مجسبہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اپنی زندگی میں اپنے ایمان کی کچھ حفاظت نہیں کرتے نہ اپنے جیتے جی کچھ ایسے کام کر جاتے ہیں جو آخرت میں ان کی نجات کا ذریعہ ہوں۔ جب وہ لوگ خالی ہاتھوں اس دنیا سے سداوتے ہیں تو جاتے ہی پکڑے جاتے ہیں ہر طرف سے پھسکار ہوتی ہے عذاب کے فرشتے متعین ہوتے ہیں وہ اپنے ان ساتھیوں کو دیکھتا ہے جو زندگی میں اپنے ایمان کی طرف سے ہوشیار تھے انکے نامہ اعمال طرفہ العین میں معائنہ ہوتے ہیں اور وہ جنت میں داخل ہوتے چلے جاتے ہیں پھر بعض ایسے لوگ آتے ہیں جنہوں نے دنیا میں بہت سے عمدہ کام کئے تھے بہت سی نیکیاں اپنے ساتھ لائے تھے اپنی قوم کے لئے ایسے ایسے مدرسے بنا گئے تھے جن کی بدولت دین و دنیا میں اس کو عزت ہو عامہ خلائق کی بھلائی میں انہوں نے عمریں صرف کر دی تھیں مگر ادائے فرائض میں ان سے کچھ قصور ہو گیا تھا اپنی غفلت اور کاہلی سے نماز روزہ کو اچھی طرح ادا نہیں کیا تھا فرشتوں نے ان کو بھی پکڑا جڑا اور چاہا کہ ان کو بھی اور گنہگاروں کی طرح ذلیل کریں مگر آواز آئی کہ خبردار یہ میرے خاص بندے ہیں ان کو میرے پاس لاؤ تب فرشتے ان کو خدا کے پاس لے گئے خدا کی عظمت و جلال دیکھ کر ان انسانوں کا رنگ فوق ہو گیا بدن کانپ گیا پاؤں ڈمک گئے اور زبان لٹکھڑانے لگی تمام اعضا میں رعشہ سا گیا تب خدا نے ان سے ایک پُر عبادت کیساتھ ارشاد کیا کہ بیشک تم نے اپنی زندگی میں اس قدر ذخیہ اپنی نجات کا اکٹھا کر لیا ہے کہ وہ آج تمہاری ان تقصیرات کا جن میں فرشتوں نے تم کو پکڑا کافی معاوضہ ہوگا۔ آج میں اپنا وعدہ ان الحسنات بیدھن المیات بھی کروں گا اور تم کو تمہاری کوششوں کا پورا صلہ دوں گا لیکن مجھ کو تم سے بہت ہی بڑی شکایت ہے تم میرے خاص بندوں میں تھے اور ہمیشہ اس بات کی امید کرتے تھے کہ ایک دن خدا کے سامنے عزت سے حاضر ہونگے تم سے ادائے فرائض میں قصور اور کاہلی ہونا نہایت افسوس کی بات ہے تم میں سے ہر ایک کی کاہلی نے میرے اور بندوں کو بھی کاہلی کی تعلیم دی اور اپنے اس کردار سے میرے بہت سے بندوں کو اپنی بکار آمد کوششوں میں شریک ہونے اور اپنی عمدہ نصیحتوں پر عمل کرنے سے باز رکھا۔ کیا تم نے یہ جان لیا تھا کہ مجھ کو تمہاری یہ کاہلی کچھ خوش معلوم ہوتی ہو گی کیا تم نے دنیا میں کسی ایسے بادشاہ کا دربار نہ دیکھا تھا یا اس کے حال سے واقف نہ ہوئے تھے جس نے اپنے درباریوں اور اپنے نوکروں اور اپنی رعایا کے واسطے کوئی ضابطہ بادشاہ کی تعظیم بجالانے کا مقرر کر دیا ہو کیا تم یہ نہ جانتے تھے کہ اگر کوئی شخص یا کوئی اعلیٰ رتبہ کا امیر اس بادشاہ کی تعظیم اس طریقہ سے بجا نہ لاتا تو اس بادشاہ کا قہر و غضب کس قدر مشتعل ہوتا کیا امیر اس بادشاہ کا گو اس کی ذات سے کیسی ہی عمدہ عمدہ خدمتیں ظہور میں آئی ہوتی یہ جرات کر سکتا تھا کہ بغیر حکم بادشاہ کے اپنی کاہلی سے اس کی مقررہ تعظیم میں کچھ قصور کرے پھر کیا

تمہارے پاس میرا کوئی فرمان آگیا تھا یا کوئی فرشتہ تمہارے کان میں کہہ گیا تھا کہ تمہارا روزہ نامرتاری خوشی پر منحصر ہے یا تم کو اس قدر عقل نہ تھی جو یہ سمجھتے کہ احکم الحاکمین ہماری اس کلاہی سے ناخوش نہ ہوتا ہوگا اگر کوئی عام آدمی ایسی غفلت میں گدازتا تو مجھ کو اس سے اس قدر شکایت نہ ہوتی اور ایک خفیہ عذاب اس کو دیکر چھوڑ دیتا لیکن تم میرے برگزیدہ بندوں میں سے تھے تمہاری ان کج ادائیگوں سے مجھ کو بہت سنجھتا ہے ۔

پھر خدا نے اُن سے سوال کیا کہ آیا تم کو یہ اُمید تھی یا نہیں کہ خدا کے ہاں ہم عزت سے حاضر ہونگے تب اُنہوں نے بہت ہی بی ہوشی اور روتی ہوئی آواز سے جواب دیا کہ ہاں اے باری تعالیٰ ہم کو تیرے رحم اور فضل سے ایسی ہی توقع تھی تیرے عنایت سے ہم کو ایسا ہی بھروسہ تھا اور ہم تیری ایسی عنایت کے بھروسہ پر اپنے ارادوں میں اس قدر ثابت قدم ہو سکے۔ پھر خدا نے اُن سے پوچھا کہ کیا تم کو عامہ خلائق اور قومی بھلائی میں ساعی ہونے میں انبیاء کرام سے بھی کچھ زیادہ دعوئے تھا جواب دیا کہ ہاں ماشاء اللہ کی خاک پا کے برابر بھی کبھی رتبہ نہیں ہوا پھر خدا نے اُن سے پوچھا کہ کیا انبیاء کے صحابیوں سے تمہارا درجہ ان کو نشوں کے لحاظ کچھ بڑھا ہوا تھا۔ جواب دیا کہ نہیں ہماری کیا مجال تھی کہ ہم تیرے اُن مقدس بندوں کی برابری کا دعویٰ کرتے خدا نے فرمایا کہ پھر تمہاری بصارت کی قوت کہاں کھوئی گئی تھی جب ہمارے نبی اور ہمارے انبیاء کے صحابہ باوجود عامہ خلائق اور اپنی امت کی اصلاح مال میں اس قدر کوششیں بلع اور سعی موفورہ کینے کبھی ایک لحظہ کیواسطے بھی ہمارے فرائض کے احاطہ میں نہ پائے گئے۔ تیروں اور تلواروں کے طوفان میں بھی اُنہوں نے نماز روزہ کو نہ چھوڑا سخت سے سخت مصیبت میں بھی وہ ہمیشہ ان فرائض کے ادا میں قائم رہے تو تم نے کیا سمجھ لیا تھا جو ہمارے خاص ان فرائض کے بحالہ میں کوتاہی کی۔ انبیاء اور صحابہ کا اس قسم کے ادائے فرائض میں ثابت قدم رہنا ہی ایک بڑا ثبوت اس بات کا تھا کہ خدا کے بندوں کو اُسکے بحالہ میں کاہلی مناسب نہیں۔ علاوہ اس کے میں نے قرآن میں بھی صد مقام پر بالخصوص نماز کی تاکید کی اسکی خوبیاں بتلائیں اُس کے فائدوں کو جنلا یا اگر بائینہ تم نے میرے اُن احکام کی کچھ قدر نہ کی آج تم کس منہ سے اپنے کاموں کا صلہ مجھ سے چاہتے ہو۔ تب یہ گنگنا کر کچھ جواب نہ دے سکے اور بے اختیار رو دیئے اور اپنے کئے پر بہت ہی پشیمان ہوئے اور بڑی عاجزی اور زاری سے عرض کیا کہ اے ہم کو اپنے کاموں کا کچھ معوئے نہیں ہے تو محض اپنے کرم اور فضل سے چاہے ہم کو بخش دے اور چاہے نہ بخش دے بیشک ہم گنگنا رہیں مگر تیری ذات غفور الرحیم ہے اے تیری اس صفت پر جو تیری عین ذات ہے ہمیشہ ہم کو تپا یقین رہا ہے آج اُسی سے ہم کو اپنی نجات کی توقع ہے۔ تب اُس غفور الرحیم نے بڑے جوش میں آکر حکم دیا کہ میں نے تمکو

بخشا اور یہ بھی فرمایا کہ تمہاری خدمتیں جو اسلام کے حق میں ہوئیں سب میں نے قبول کی ہیں یہ خدمتیں جن کی تمہاری بد نصیب قوم نے کچھ قدر نہ کی ایسی بڑی عظمت کی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک خدمت تمہاری ایسی ایسی سوکالہیوں کا تلافی ہو سکتی ہے لیکن شکایت اس بات کی تھی کہ تم میرے خاص بندے تھے تمہارا تہ میرے ماں بہت بڑھا ہوا تھا اس لئے تم کو اپنا کام بہت احتیاط سے کرنا مناسب تھا۔ سچ ہے جن کے رتبے ہیں ان کو سوا مشکل ہے +

جو لوگ اپنے ساتھ بہت سی نیکیاں لائے تھے وہ باوجود اپنی غفلت اور قصور کے بھی اسی طرح سے خدشی خوشی جنت کو تشریف لے گئے اور پھر وہاں جو کچھ ان کی خاطر مدارات ہوئی وہ بیان میں نہیں آسکتی مالا علین رات ولا اذن سمعت۔ ولا خطر علی قلب بشر +

مگر وہ بیچارہ غریب مسافر جو بالکل خالی ہاتھوں آیا مشکیں بندھی ہوئی قیامت کے اُس ہولناک میدان میں دم بخود کھڑا ہے۔

اے تہی دست رفتہ در بازار

ترسمت باز ناوری دستار

دنیا میں کوئی ایسا نیک کام نہیں کیا جس کی عوض میں اُس عذاب اور ذلت سے مائی ہوتی درستہ العلوم ملامت میں خلوص نیت سے کبھی ایک ٹکنا نہیں دیا جسکے بدلے نجات ملتی۔ آخر جب وہ بہت گھبرا یا تو اپنے دنیا کے ان کاموں کو اُس نے یاد کیا جن کو وہ نیک جانتا تھا اُس نے فرشتوں سے کہا کہ میں نے دارالحرب ہجرت کی اور مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کی تھی کیا اس کا کچھ ثواب بھی آج مجھ کو نہ ملے گا فرشتوں نے جواب دیا کہ وہ ہجرت خدا کی واسطے نہ تھی پری رویاں ماہوش لونڈیوں کے اشتیاق میں ایک وحشیانہ حرکت تھی لوگوں کی نظروں میں اُس بیوہ کام سے تم نے اپنی عزت پیدا کی لیکن خدا کو تو تمہاری نیت کا حال معلوم ہے +

پھر اُس نے کہا کہ میں نے بیسیوں منہ بھنڈا رہ کیا اور راہ خدا میں فقیروں کو کھلایا کچھ اُس کا حساب دیکھو۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ وہ تمہاری ایک بجا فضول خرچی تھی ان تمام بھنڈا روں میں کسی ایک مستحق کو بھی کھانا نہیں پہنچا البتہ ایک ٹکٹا کو تم نے پلاؤ کی بچی ہوئی ہڈیاں ڈال دی تھیں اُس کا کچھ تھوڑا سا ثواب ملا ہے جس سے تمہارے عذاب میں کچھ تخفیف ہو گئی ہے۔ اُس بھنڈا رہ میں سب کے سب ایسے لوگ تمہارا مال گھاگئے جنہوں نے بھنگہ روزہ کے سوانا روزہ کی کچھ بھی حقیقت نہیں جانی پھر فرشتے اُس کو ایک اونچے ٹیلہ پر لے گئے وہاں سے اُس نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو نہایت ہی سخت عذاب میں مبتلا ہیں یہ شخص ان کو دیکھ کر ڈر گیا فرشتوں نے کہا کہ یہی وہ فقیر ہیں جو تمہارے بھنڈاے میں حاضر تھے راہ خدا میں

اگر کچھ دینا تھا تو درستہ العلوم مسلمانان کے طالب علموں کی واسطے کچھ انعام اور وظائف مقرر کئے ہوتے مگر اُس کو بُرا جانتے تھے تو دیوبندھی کے مدرسہ کے طلباء کی خدمت کی ہوتی تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا جس کام میں سوا دمیوں نے تمہیں واہ واہ کہی اُسی کو تم نے پسند کیا پھر ثواب کہاں سے ملتا ؟

پھر اُس بد نصیب فرشتوں سے کہا کہ میں نے فلاں فلاں مولوی صاحب اور خواجہ صاحب اور مفتی صاحب اور طاں صاحب وغیرہم کی خدمت کی تھی بہت سارے روپیہ ہسپتال یہ لوگ میری سرکاریں سے لیجاتے تھے اور وہ سب مجھ سے کہا کرتے تھے کہ یہی نینا خدا کی راہ کا دینا ہے اُس حساب کو دیکھو اُس میں ضرور فتنہ کو مغالطہ ہوا ہے غالباً اس حساب میں بہت سا ثواب لیگا۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ میانِ یوانہ ہوئے ہو ہم کو بھی تم نے اپنی سرکار کا کوئی خیر سمجھا ہے جو ہم سے غلطی ہو جائیگا گمان کرتے ہو اس حساب میں بھی خاک تمہارا یافتنی نہیں ہے سب حساب ہمارا دیکھا ہوا ہے جس وقت تم روپیہ دیتے جاتے تھے ہم اُسی وقت دیکھتے جاتے تھے۔ کیا مذلت تم کو ان سب لوگوں کا نام بتلا دیا تھا کہ ان کا دینا ثواب ہے یا جو کچھ یہ کہیں وہ سب سچ ہے۔ ان سب پیٹ کے پاپیوں نے تم کو دغا دی انہوں نے دین کے پردہ میں دنیا کمانی تمہارے خوش کرنے کے واسطے بہت سے فتوے تمہاری مرضی کے مطابق لکھ دیئے جس فتوے کو وہ درحقیقت غلط جانتے تھے اُس پر بھی انہوں نے تمہاری خاطر سے میری کریں درستہ العلوم مسلمانان میں روپیہ دینے کو بُرا بتایا کہ ان کی روزی میں نسل نہ پڑے اور خود رقبوں کی رقبیں مضیم کر گئے اور کبھی ڈکارت تک نہیں لی خواہ ہزاروں روپیہ کے مالک تھے مگر زکوٰۃ کا پیسہ ہمیشہ لیتے رہے بیٹے وارثوں کو ہمیشہ اس بات کا عین دلایا کہ میت کا اسباب ہم سے لوگوں کو دینے سے میت کی روح کو ثواب پہنچے گا کیا ایسے فریبی اور دغا بازوں کا دینا اللہ کی راہ کا دینا ہے۔ اللہ کی راہ میں عالموں کی خدمت کرنی تھی تو درستہ العلوم مسلمانان میں مسلمان عالم مدرسوں کی تنخواہوں کے واسطے سرمایہ دیا ہوتا دیوبند اور علیگڑھ ہی کے علمی مدرسے میں کسی مدرس کی تنخواہ کی کفالت کی ہوتی یہ لکھ فرشتے اُس بد نصیب کو پھر ایک اونچے ٹیلہ پر لے گئے وہاں سے اُس نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک آتش گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں اُو خدا کا عذاب اُن پر نازل ہو رہا ہے۔ وہ روپیہ جو انہوں نے دغا اور فریب سے حاصل کیا تھا سانپ اور بچھوؤں کی صوت میں اُنکے بدن سے پٹا ہوا ہے اور ان موزی جانوروں نے کاٹ کاٹ کر تمام تن کو چھلنی کر دیا ہے گرائن کے ماتھ کی انگلیوں پر سب زیادہ تکلیف ہے وہ زہریلے جانوروں کے ڈنگ کے اثر سے پانی پانی ہو کر بہ جاتی ہیں اور پھر دوبارہ وہی مصیبت برداشت کرنے کے واسطے تازہ مچھلی پا کر اپنی اہلی حالت پر آ جاتی ہیں۔ شیخ اُن کی مصیبت اور عذاب کو دیکھ کر ڈر گیا اور خوف کے مارے کانپنے

رنگا اور کچھ نہ پہچان سکا کہ یہ کون لوگ ہیں تب فرشتوں نے اُس کو بتلادیا کہ یہی وہ مولوی صاحب اور خواجہ صاحب اور مفتی صاحب اور ملا صاحب ہیں جو دغا دیکر تجھ سے ہر سال قمیص کی رقمیں لیجاتے تھے اور تجھ کو دھوکا دیکر اس صرف کو خدا کی راہ کا صرف بتلا دیتے تھے اُن کی صورتیں اب مسخ ہو گئی ہیں اُسے تو ان کو پہچان نہیں سکتا پھر اُس نے پوچھا کہ ان کی انگلیوں پر کیوں ایسا عذاب ہے فرشتوں نے کہا کہ اُنہوں نے بالکل بدنیتی اور نغصب کی راہ سے نہ مخالط یا اختلاف رائے کی وجہ سے ان انگلیوں سے درستہ العلوم مسلمانان میں نہ چندہ دینے پر مہر کی قمیص اور اس فریبہ سے انہوں نے تمام مسلمانوں کو ذلت اور اذیاد میں پڑے رہنے کی تدبیر کی تھی اور اُن کی دینی اور دنیاوی ترقیات میں ماسخ ہوئے تھے اس لئے خدا نے اُن کی انگلیوں پر زیادہ سخت عذاب نازل کیا ہے پھر اُس بد نصیب نے فرشتوں سے پوچھا اُنہیں لوگوں پر کیا مقرر ہے درستہ العلوم کی نسبت تو اور بھی بہت سے عوام آدمیوں کی رائے مخالف تھی فرشتوں نے جواب دیا کہ وہ بھی انہیں حضرات کے بھگانے سے تھے علاوہ اسکے ابھی اُن لوگوں کا معاملہ تیری آنکھوں کے سامنے گزر چکا ہے جنہوں نے ناز و روزہ میں کاہنی کی تھی اور تو نے دیکھا کہ خدا اُن پر کس قدر غصہ ہوا وہ کیا بات تھی وہ بھی یہی بات تھی کہ وہ لوگ خدا کے خاص بندوں میں تھے اُن سے ایسی حرکت کا ہونا نہایت پسندیدہ تھا اعلیٰ ہذا القیاس یہ لوگ جو عالم اور فقیہ اور ملا اور مفتی اور مجتہد کہلاتے تھے اور انہوں نے علم حاصل کیا تھا دین کی کتابیں پڑھی تھیں ہر طرح کی سمجھ رکھتے تھے اُن کا کام یہ تھا کہ لوگوں کو نیک کام پر رغبت دلاتے نہ یہ کہ انکار انہوں نے اور اُن کو گمراہ کیا اسی لئے خدا نے ان پر سخت عذاب نازل کیا ہے اور نہیں معلوم کہ کتنک اُن پر یہ عذاب قائم رہتا ہے +

تب وہ بد نصیب گنگار جو خالی ہاتھوں خدا کے ہاں آیا بہت پختایا اپنے اور تمام کاموں کو جن پر اُس کو بہت بھروسہ تھا اس طرح اڑتی ہوئی خاک کی طرح برباد ہونا ہوا دیکھ کر بہت دیا مگر پھر کچھ یاد کہے اور ہمت باندھ کر سنبھل بیٹھا اور ایک زندہ آواز کے ساتھ فرشتوں سے اُس نے کہا کہ میں نے اپنے جینے جی بہت سی مسجدیں اہ خدا میں تعمیر کرائی ہیں اُن کا حساب کہاں ہے جن مینوں پر میں نے مسجدیں بنائیں وہ مجھ کو کچھ بھگانے نہیں آئی تھیں جو انشیں اور مصالح میں نے اُن مقدس اور پاک عمارتوں میں صرف کیا تھا اُس نے بان نے کچھ اس کام کے واسطے میری خوشامد نہ کی تھی یہ کام میرا اس طرح اکارت ہوگا فرشتوں نے وہ سب حساب اُس کو دکھلادیا جن مسجدوں میں ہزار ہا روپیہ صرف ہوا تھا اور جن پر اُس کجخت کو بہت ناز تھا وہ بالکل راہ خدا کے حساب میں سے خارج کر دی گئیں تھیں اُن میں سے کسی کی نسبت تو یہ لکھا ہوا تھا کہ گاؤں کے ٹھاکروں سے بید غلی کاشت پر نذر ع ہوا تھا اُن کو برنج دینے

کے واسطے یہ مسجد اُن کے مندر کے پاس بنائی گئی ہے ہم سے اس مسجد سے کچھ واسطہ نہیں اور کسی کی نسبت حساب میں یہ یادداشت تحریر تھی کہ اس پر ایک بڑا کتبہ قایم کیا گیا تھا جس پر اسکے بنانیوالے نے اپنے آپ کو حاتم و دران اور حامی دین ایمان لکھوایا تھا اور اُس سے یہ غرض تھی کہ میرا نام نیک اسکے ذریعہ سے دنیا میں قایم رہے چنانچہ جیتنگ و مسجد زمین پر قایم رہی اُس کا وہ مقصد دنیا میں حال ہمارے حساب سے اُس کو کچھ سروکار نہیں ہے البتہ چند چھوٹی چھوٹی مسجدوں اور بعض پرانی مسجدوں کی مرثوبہ کے راہ خدا کے حساب میں شامل کیا گیا تھا اور اُن کا ثواب بھی جاری تھا فرشتوں نے اُس پر نصیب کیا کہ صبح اور شام ایک ایک جام ٹھنڈے پانی کا جو تھکوا مل جاتا ہے وہ اسی ثواب کی وجہ سے یہ شکر وہ بد نصیب پھرونے لگا اور اپنی زندگی کی حالت پر بہت افسوس کیا مگر تھوڑی سی فراحت کے بعد اُس نے بھی اُس مفلس مسافر کی طرح جس کو اپنا ٹکٹ گم کرنے کی بدولت کچھ روزوں جیہانہ میں ہٹا پڑا عذاب سے رٹائی پائی +

پھر جس طرح ریل کی ٹرین میں گاڑیاں مختلف درجہ کی ہوتی ہیں کوئی شاہی گاڑی ہے اور کوئی امرا شاہی کی۔ کوئی اول درجہ کی کوئی دوم درجہ کی کوئی درمیانی درجہ ہے اور کوئی سبک آخر کا درجہ۔ اسی طرح انسانوں کی زندگی کی ٹرین کا حال ہے وہ بھی مختلف درجوں میں منقسم ہے شاہی گاڑیوں سے انبیاء و صلوات اللہ علیہم اجمعین کی زندگی مراد ہے جنہوں نے اپنی تمام عمر اپنی امت کی اصلاح حال میں صرف کی اُن سے گالیاں سنیں تھکھائے مگر ہمیشہ اُن کو دعائے خیر سے یاد کیا اور بڑے استقلال مگر ملائمت اور نرمی کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے +

اس کے بعد امرا شاہی کی گاڑیوں کے مقابلہ میں نبیوں کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی ہے جو بالکل انبیاء کے قدم بقدم چلے اور جن کاموں کی بنیاد اُن کے نبی ڈال گئے اُس کو اُنہوں نے ویسے ہی استقلال اور تحمل کے ساتھ پورا کیا +

ریل کے اول درجہ کی گاڑیوں کی مناسبت میں اُن عالی رتبہ لوگوں کی زندگی ہے جنہوں نے عام مخلوق اور اپنی قوم کی بھلائی میں اپنا وقت اپنا آرام اپنا مال صرف کیا اور کر رہے ہیں جن کی بھلائی چاہتے ہیں ہی بُرائی پہنچانے پر مستعد ہیں جن کیساتھ دوستی کرتے ہیں وہی دشمنی سے پیش آتے ہیں جن پر اپنی جان قربان کرتے ہیں وہی گلے کا مار ہوتے ہیں جن کی حمایت کرتے ہیں وہی مخالفت پر کمر بستہ ہیں۔ جنکے اسلام کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں وہی کفر کے فتوے سناتے ہیں اور یہ خدا کے شیر اپنی قوم سے بُرا بھلا سُنتے ہیں اور خوش ہیں کفر کے فتوے سنتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے قوم کی پست ہمتیاں اور نالائقیات دیکھتے ہیں مگر ہمت نہیں ہارتے میرے نزدیک اسی درجہ انسانوں کو وارثِ انبیاء و کناہ صحیح

ہے فلسفہ اور منطق اور ریاضیات اور ادب وغیرہ میں لاجواب ہونے اور صاحب جہد و ستار بنانے سے بنیاد کا ورثہ نہیں مل سکتا۔ فرہی چیکر دیگر آماں چیکر دیگر ست +

ریل کے دوم درجہ کی گاڑیوں کے مقابلہ میں فی زمانہ ان لوگوں کی زندگی ہے جو اول درجہ کے لوگوں کی مدد کر رہے ہیں اور ان کے ارادوں کی تکمیل میں سعی ہیں ایسے لوگوں کا وجود بھی بہت ہی غنیمت ہے بڑی خوشی کی بات تو یہ ہے کہ اس درجہ کے لوگ ایسی ترقی کریں جو اس ٹرین بہت سی اول درجہ کی گاڑیاں ان کے واسطے زیادہ لگانی پڑیں نہ کم سے کم اس قدر کوشش ان کو ضرور کرنا چاہئے کہ اگر وہ پہلے درجہ کے لوگ جن کی عمر نادرانگہ ہے اور ان کو ابھی مدت تک صحیح و تندست رکھے جس وقت اپنی منزل پوری کر کے اپنی گاڑی میں سے اتریں اور ازل کے اسٹیشن یا سٹروپنا کھٹ حوالہ کریں تو یہ دوسرے درجہ کے لوگ ان کے جانشین بن جائیں اور اس ٹرین کی ان معزز گاڑیوں کو خالی نہ چھوڑیں +

درمیانی درجہ تھوڑے روزوں سے ریل کی ٹرین میں شامل ہوا ہے یہ ان لوگوں کی زندگی کے ٹھیک ٹھیک مناسبہ جو کچھ تھوڑے روزوں سے زمانہ کے حالات پر غور کرنے لگے ہیں اور اپنے آپ کو پست حالت سے نکالنے کی فکر میں ہیں لیکن بے استطاعت یا کم ہمتی سے ابھی اوپر کی معزز گاڑیوں میں جانے سے بھجکتے ہیں مگر امید ہے کہ وہ سب اعلیٰ درجہ میں رفتہ رفتہ ترقی کریں گے +

سب کے اخیر درجہ ریل کا جواب تیسرا درجہ کہلاتا ہے ان عام انسانوں کی زندگی ہے جن کی صلاح اور ترقی میں معزز گاڑیوں والے کوشش کر رہے ہیں اور تھوڑے بہت فاصلہ سے ان کے ساتھ ساتھ اس ٹرین میں اپنی زندگی طے کر رہے ہیں ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ اس ذلیل و سبیل سے سب لوگوں کو نکال کر معزز درجہ کی مختلف گاڑیوں میں سوار کر دیں لیکن مجبوری یہ ہے کہ خود اس قدر مقدور نہیں رکھتے جو سب کے لئے اعلیٰ درجہ کا کھٹ لے دیں اور اس ذلیل درجہ کے بیٹھنے والے صرف ہمت نہیں کرتے +

غرض کہ جہاں تک غور کیجئے ریل کی ٹرین اور انسانوں کی زندگی بہت سے حالات کے لحاظ سے کیسا طریقہ سے چل رہی ہے یہاں تک کہ ہم درحقیقت کسی ملک کی ریل کی ٹرین کو دیکھ کر یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ اس ملک کے انسانوں کی زندگی کس طرح پر بسر ہوتی ہے ہمارے ملک کی ٹرین میں سب سے پست درجہ میں مسافروں کی بہت کثرت ہوتی ہے جس کا نتیجہ ملک کی حالت کے ٹھیک ٹھیک مناسبہ یعنی سب تنہا ہی اور ذات میں مبتلا ہیں معزز درجہ کی گاڑیوں میں بیگانہ ملکوں کے کالی کرتی والوں کے سوا اس ملک کے سفید پوش بہت ہی کم نظر آتے ہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ ہمارے اس تمام علی غول میں بہت کم ایسے ہیں جو درحقیقت اصلی عزت کے مستحق ہیں +

اب میں اپنے مسلمان بھائیوں سے بہت عرض کرتا ہوں کہ وہ اس خراب اور ذلیل حالت سے بڑے تر درجوں میں ترقی کر نیکی فکر کریں اور جو لوگ اس عمدہ کام میں اُن کی دستگیری کر رہے ہیں اُن کی نصیحتوں کو تمام تر شکرگزاری کے ساتھ سنیں اور اُن پر عمل کریں۔ والسلام +

تہذیب و شائستگی

اصل شائستگی خیال کی شائستگی ہے

ہمارے اس زمانہ میں شائستگی اور تہذیب پر بہت بحث ہو رہی ہے اور مسلمانوں میں اُس کی نسبت ایک گرم مباحثہ قائم ہے اور لوگوں کی مختلف رائیں ہو رہی ہیں کوئی طرز لباس کو شائستگی پر بہت کچھ موثر سمجھتا ہے اور کوئی کھانا کھانے کے طریقوں کی تبدیلی کرنا چاہتا ہے کسی کو ایک بات مذہب اور شائستہ معلوم ہوتی ہے دوسری اُسی کو نامذہب اور ناشائستہ ٹھہرتا ہے۔ کوئی اپنی گیتلی جوتی اور جیبہ دوستار میں خوش ہے کہ شائستگی راہچہنیں شاید۔ کوئی انگریزی بوٹ چڑھائے اپنے کوٹ و پتلون پر غش ہے کہ تہذیب ہمیں یک معنی دار و گمریری انت میں یہ سب قصے اور بکھیرے ہیں اور اصل شائستگی خیال کی شائستگی ہے +

تہذیب و شائستگی کا عمدہ اور اعلیٰ منشا یہ ہے کہ انسان اس طرح پر اپنی زندگی بسر کرے جس سے اپنی ذات بھی ہمیشہ آرام اور خوشی اور تندرستی کے ساتھ رہے اور دوسروں کو بھی اُس سے فائدہ پہنچے اور ایسے وسیلے ہم پہنچائے یا وہ جن سے ہر قسم کی مشکلات پر غالب آنا سہل اور ہر قسم کی خوشی اور راحت حاصل ہونا آسان ہو جائے۔ پس جس انسان کے دماغ میں ایسی قوت ہو کہ وہ ان تمام باتوں پر قادر ہو سکے اُسی کو ہم شائستہ کہہ سکتے ہیں اور اسی کا نام خیال کی شائستگی ہے باقی وہ امور جو طرز معاشرت اور طریق تمدن سے علاقہ رکھتے ہیں وہ انسان کی بسر زندگی کے ایسے خارجی اسباب ہیں جن پر ایک شائستہ اور مذہب آدمی ملک کے مختلف موسموں اور آب و ہوا وغیرہ کے لحاظ سے اس بات پر غور کر سکتا ہے کہ ان امور میں سے کس امر سے بچھڑے۔ ام ملیگا اور کس سے میں بخوبی تندرست ہو سکتا ہوں اور کوئی چیز میری خوشی کو بڑھا سکتی ہے اور میرا کام دوسروں کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ اور یہ جو رائے قائم ہو اُس پر ہر عاقل انسان کو عمل کرنا کا حق ہے لیکن خیال کی شائستگی اور دوستی سے پہلے اُن امور میں سے کسی کو تقلید اختیار کرنا اور کسی کو ترک کرنا انسان کو شائستہ نہیں بنا سکتا +

جس آدمی کا خیال شائستہ ہے اُسکے تمام کام خود بخود ایسی عمدہ ترتیب انجام پاتے ہیں جس سے وہ تمام

خوشیاں اور آرام جو تہذیب و شایستگی کا نتیجہ ہیں بالضرور حاصل ہوں۔ نامذہب آدمی کے تمام کام ہمیشہ بے ترتیب ہوتے ہیں جن سے زندگی اور تہنہ ہو۔ مذہب آدمی کی مثال بالکل انسان کی تندرستی کی سی ہے۔ جب تک انسان تندرست ہوتا ہے اس کے تمام اعضاء اپنے اپنے موقع سے وہ تمام کام خود بخود کرتے رہتے ہیں جن میں انسان کی راحت اور خوشی بڑھانے کا ذریعہ ہوں اور بخوں اور تکلیفوں کو دور کریں جن آدمیوں کا خیال شایستہ نہیں ہوا ہے اور وہ کسی شایستہ اور مذہب قوم کی چند رسموں اور دستوروں کی تقلید ہی کو شایستگی سمجھتے ہیں ان کی مثال بالکل ایک ایسے مریض کی سی ہے جو تندرستوں کی سی حرکتیں کرنا چاہتا ہو۔ مگر کسی طرح اس مریض کی یہ حرکتیں ایک تندرست آدمی کی کاموں کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح جن لوگوں کے بھی خیال شایستہ نہیں ہوئے ان کے بعض تقلیدی طریقے ان کو مذہب اور شایستہ نہیں کر سکتے۔

پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ سب سے پہلے اپنے خیالات کو عمدہ کریں اور اگر ان کے خیال عمدہ ہو گئے تو سب قسم کی ترقیاں خود بخود ان میں ہو جائیں گی ورنہ تقلیدی شایستگی سے کچھ کام نہیں چل سکتا کبھی ایسی ٹہنی سے پھولوں کے کھلنے کی توقع نہیں ہو سکتی جس کا سلسلہ ایک مستحکم جڑ تک نہیں پہنچتا گو دیکھنے والوں کی نظروں میں وہ کیسی ہی سرسبز اور شاداب معلوم ہوتی ہو۔

اور خیالات اس وقت تک عمدہ نہیں ہو سکتے جب تک دوسروں کے خیال سے مواضع نہ کیا جاوے۔ جس طرح مال و دولت پھر بدل سے بڑھتا ہے اسی طرح خیال کی بھی ترقی ہوتی ہے جب آدمی تعصب کو چھوڑ کر دوسروں کی رائے اور دوسروں کے خیال پر غور کرتا ہے اور اپنے خیالات سے دوسروں کو مطلع کرتا ہے اور پھر دونوں ایوں اور دونوں خیالوں کا باہم مقابلہ ہوتا ہے اور ایک خیال صحیح اور دوسرا خیال غلط یا ایک کامل اور دوسرا لائق اصلاح معلوم ہونے لگتا ہے تب رفتہ رفتہ انسان کا خیال ترقی کرنے لگتا ہے اور جب یہ ترقی کامل ہو جاتی ہے تو انسان مذہب اور شایستہ کہلا کر نیکو ہوتا ہے۔

انسان کے خیال کی ترقی بالکل اس طرح سے ہوتی ہے جس طرح کوئی شخص درجہ بدرجہ سیر پڑھوں پر چڑھتا ہے اور کسی بلند زینہ کو طے کرتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ زینہ کو طے کرتے وقت انسان خود بھی دیکھتا ہے کہ کس قدر دوری میں طے کر چکا ہوں اور کس قدر دوری ابھی باقی ہے خیال کی ترقی میں انسان کو خود اچھی طرح معلوم نہیں ہوتا کہ میں نے کس قدر ترقی کی لیکن اور دیکھنے والوں کو معلوم ہو جاتا ہے۔

انسان ایک وقت میں ایک عمدہ اور نہایت عمدہ کام کو اس قدر اُجانتا ہے اور اپنے نزدیک اس کی بڑائی کا ایسا قطعی فیصلہ کر لیتا ہے کہ اس سلسلے کے برخلاف تذکرہ کرنا بھی فضول سمجھتا ہے خیال کی یہ حالت اس وقت ہوتی ہے جب تک وہ ترقی کے زینہ پر قدم نہیں رکھتا۔

مگر جب ایسی گفتگوئیں اُس کے سامنے برابر جاری رہتی ہیں تو یہ شخص اُن کو سُن کر سچ و تاب کھاتا ہے اور اپنی مخالف رایوں کو رد کرنے لگتا ہے بہت سے لائل اپنے خیال کی تائید میں پیدا کرتا ہے۔ اور بڑی جدوجہد سے اپنی مخالف رایوں کے جواب دینے کی فکر میں پڑ جاتا ہے۔ عین حال خیال کی ترقی کی پہلی سیڑھی ہے +

جب کوئی آدمی اس سیڑھی پر چڑھ گیا ہے تو اب وہ ایک ایسے مباحثہ میں پڑا جہاں بالضرور بحث وفاق اور مخالف رائیں اُس کو دیکھتی پڑتی ہیں کچھ عرصہ تک وہ پہلی ہی سیڑھی پر قدم مضبوط گاٹے ہوئے کھڑا رہتا ہے مگر آخر کار اُس کا خیال اس بات پر غور کرنے لگتا ہے کہ ان دونوں رایوں میں سے کون سی صحیح ہے اور کون سی غلط۔ یہ حالت خیال کی ترقی کی دوسری سیڑھی ہے +

سچائی کا یہ فاتی وصف ہے کہ اگر انسان اُس پر بغیر کسی تعصب کے غور کرتا ہے تو بیشک اُس کو سچائی کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگر سخت سے سخت تعصب کے ساتھ بھی کسی بات پر برابر غور اور مباحثہ جاری ہے تو بھی ایک نہ ایک دن سچائی غالب ہو رہیگی مگر بہت دیر کے بعد پس جن رایوں پر انسان مبنی سیڑھی پر کھڑا ہوا غور کرتا ہے اگر اُن میں سے وہ رائے جس کو وہ پہلے بُرا جانتا تھا اور حقیقت سچ ہوتی ہے تو بلاشبہ انسان اُس کو اپنی استعداد کے موافق خواہ جلد خواہ بدیر قبول کر لیتا ہے اور یہاں وہ انما یستجیب الذین یسمعون کا مصداق بنتا ہے یعنی بات کو قبول وہی کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔ عین حال خیال کی ترقی کی تیسری سیڑھی ہے +

اس سیڑھی پر پہنچ کر آدمی اُس رائے کو جس کے برخلاف ایک دن گفتگو تک کرنا مفصل خیال کرتا تھا۔ غلط سمجھنے لگتا ہے اور کچھ مدت تک وہ اسی تیسری سیڑھی پر کھڑا رہتا ہے وہ اوروں کو چوتھی سیڑھی پر چڑھتے ہوئے دیکھتا ہے مگر خود ارادہ نہیں کرتا وہ اپنے ساتھیوں کو ایک کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے جس کو وہ صحیح تسلیم کر چکا ہے مگر اس پر عمل کرنے کو وہ اچھا نہیں جانتا۔ وہ اہل کتاب کے ساتھ مواکلت کو اب نہیں جانتا اُس کو مستحق عذاب الہی نہیں سمجھتا اور آخر کار اسکی منافقتوں کا بھی اقرار کرتے لگتا ہے مگر نہ آپ اُسے کرنیکی جرات رکھتا ہے نہ دوسروں کے اس عمل کو پسند کرتا ہے مگر کچھ دنوں کے بعد وہ چوتھی سیڑھی پر چڑھتا ہے یہاں بھی اُس کام کو اختیار نہیں کرتا جس کو خود اچھا جان چکا ہے مگر اتنا فرق ہو جاتا ہے کہ یہاں پہنچ کر وہ دوسروں کو بھی اُس کام کی وجہ سے بُرا نہیں سمجھتا اُن کو ملامت کرنا چھوڑ دیتا ہے جو حقارت اور نفرت اُسکے دل میں اُس کام کے اختیار کرنے کے سبب اوروں کی طرف سے ہوتی ہے وہ اب باقی نہیں ہتی۔ ہاے بعض دوستوں کا قول ہے کہ جن لوگوں کے خیال کی ترقی اس چوتھے درجہ تک ہو جاتی ہے وہ تہذیب و

شاہنگی کی یونیورسٹی یا دارالعلوم میں داخلہ کا امتحان پاس کرنے میں +

اسکے بعد جب آدمی دوسروں کو وہ کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے جس کا مفید ہونا اُس کو تسلیم ہے اور اُنکا وہ فعل اُس کو ناگوار بھی نہیں معلوم ہوتا تو عقوڑی دیر دم لیکر اب وہ پانچویں سیڑھی پر آتا ہے یہاں وہ اس تردد میں پڑتا ہے کہ میں بھی اس کام کو کروں یا نہ کروں۔ دوسروں کو مفید و مفید کام کرتے ہوئے دیکھ کر جی بہت لپچاتا ہے مگر جرات نہیں پڑتی عقل بالکل آگے چلنے کی رغبت دلاتی ہے مگر مصلحت دامن نہیں چھوڑتی۔ اس پانچویں سیڑھی پر بڑی بچینی سی گزرتی ہے صبح کو ارادہ ہوتا ہے کہ آج تو مسلمان ہو ہی جائے مگر شام پھر ویسی ہی تاریک آتی ہے جیسی گزری ہوئی شام تھی شام کو یہ قصہ ہوتا ہے کہ کل ہرچہ باوا باد۔ مگر صبح کو آفتاب کا قمر ناک چہرہ پھر ویسی ہی بہت طاری کر دیتا ہے +

لیکن آخر کار بہت مرداں و مرددا ایک دن ٹیکل مقام بھی طے ہو جاتا ہے اور خدا کا نام لیکر آدمی اُن کاموں کو خود کرنے لگتا ہے جن کو وہ ایک دن نادانی اور ناتجہی سے برا سمجھتا تھا اور اب بہت سے بے خوش اور گفتگوں اور غور و تامل کے بعد اُن کو نہ صرف بڑائی سے بری خیال کرتا ہے بلکہ اُنکے مفید اور نہایت مفید ہونے پر کمال یقین کر لیتا ہے۔ یہ حالت انسان کے خیال کی چھٹی سیڑھی ہے +

اس سیڑھی پر قدم رکھتے ہی آدمی کو معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ زینہ ختم ہو گیا اور اب وہ ایک ایسے بلند اور خوش فضا سطح پر پہنچ جاتا ہے جس کی خوبیاں بیان سے باہر ہیں اور ہر ایک سیڑھی پر جتنی جتنی دیر بٹھرنیکا اتفاق ہوا تھا اُس پر افسوس کرتا ہے۔ اب وہ دیکھتا ہے کہ اُس نہایت ہی دلکش میدان میں جا بجا صاف اور شیریں چشے اور نہریں جاری ہیں سبزہ نے تمام میدان پر فرش زمر دین بچھا دیا ہے مختلف قسم کے پھول اور پوسے اور خست جیدالطف دکھاتا ہے ہیں مرغان خوش الحان اپنی اپنی بولیوں میں اپنے پروردگار کی یاد میں مصروف ہیں۔ وہاں اگر کوئی ناہموار مقام بھی ہے تو نہایت ہی دلچسپ دکھائی دیتا ہے اور وسط میں ایک چشمہ کے کنارہ پر نہایت خوبصورت ایک مینا ہے اور اُس پر مٹے مٹے طلائی حرفوں میں عربی خط سے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے +

دنیا میں خدا کی یہ رحمت خاص اُن مسلمانوں کے واسطے ہے جو چھوٹے سیڑھیاں طے کر کے یہاں

تک پہنچ جاویں +

میں نے ایک مقابل کے اونچے ٹیلے پر چڑھ کر اس تمام کیفیت کو دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ اُس گلستان ہمیشہ ہار میں جا بجا نہایت ہی قرینہ کے ساتھ بہت ہی پر تکلف بہت سے تخت اور آرام چوکیاں بھی ہوئی

۱۷ یہ ایک مہنی ہے اُن لوگوں کی جو کسی کام کی خوبی کو عقلاً تسلیم کرتے ہیں مگر مصلحت کا غور کرتے ہیں۔ حالانکہ عقل اور

مصلحت بالکل ایک ہے +

ہیں۔ بہت سے لوگ مجھ کو ان تختوں اور آرام چوکیوں پر بیٹھے ہوئے معلوم ہوئے لیکن میں ان لوگوں کی صورت پہچان سکا نہ ان کی بولی کچھ میری سمجھ میں آئی عقل سے ایسا معلوم ہونا تھا کہ یہ لوگ مصر اور قسطنطنیہ اور تونس وغیرہ کی طرف کے مسلمان ہیں جو ان چھٹوں سیڑھیوں کو طے کر چکے ہیں اور اب خدا کی رحمت کے فرے لوٹ رہے ہیں +

میں ان بہت سے شخصوں میں سے صرف دو شخصوں کو پہچان سکا جن کے تخت میدان کے کنارہ پر اُس مقام پر بچھے ہوئے تھے جہاں وہ زینہ ختم ہوتا ہے ایک تخت پر میں نے سید احمد خاں کو دیکھا کہ تنہی اللہ کی بہت سی نفیس نفیس اور سنہری جلیں لٹکے سامنے رکھی ہوئی ہیں ان میں سے وہ کسی کسی جلد کو اٹھا کر کوئی کوئی مضمون ہندوستان کے مسلمانوں کو سن رہے ہیں اور جس عمدہ مقام پر وہ خود موجود ہیں اور جس کی خوبیاں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اُس کو بڑی دلسوزی اور محبت کے ساتھ ان لوگوں کو سمجھاتے ہیں جو اُس زینہ کے نیچے گر وہ در گر وہ نہایت بے ترتیبی اور بے سروسامانی کی حالت میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں اور زبان حال سے یہ کہتے جاتے ہیں۔ یا لیت قومی یعدون +

میں نے اُس ٹیلہ پر سے دیکھا کہ کوئی مسلمان جسکے کان میں سید احمد خاں کی آواز پہنچی ایسا باقی نہ رہا تھا جس نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی ہو میں نے دیکھا کہ تمام مسلمان پہلی آواز پر اٹھ کھڑے ہوئے اور اُس خیال کی ترقی کے زینہ کی طرف کو دوڑے اور جیسی جس کی استعداد اور قوت تھی ویسی ہی اُس نے ترقی کی بعض ضعیف الجتہ اور کم ہمت یا نابینا اور لوے لنگڑے ابھی پہلی سیڑھی تک بھی نہیں پہنچے ہیں باقیوں میں کوئی پہلی سیڑھی پر ہے کوئی دوسری سیڑھی پر کسی نے تیسری سیڑھی تک ترقی کر لی ہے اور کوئی چوتھی سیڑھی پر پہنچ گیا ہے اور بعض جو بہت ہی عقلمند اور ذکی اور چست و چالاک تھے وہ پانچویں سیڑھی تک بھی پہنچ گئے ہیں۔ جو لوگ پانچویں سیڑھی پر پہنچ گئے ہیں ان کو سید احمد خاں ہاتھ بڑھا کر اپنی برابر پر لیتے ہیں چنانچہ میرے دیکھتے دیکھتے انہوں نے پانچویں سیڑھی پر سے ایک شخص کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کو پہنچ لیا وہ بھی اُس پر فضا میدان کی راحتوں اور خوشیوں کا لطف حاصل کرنے لگا اور سید احمد خاں کی ہدایت پر اپنی آرام کی سے ہاتھ لگا کر کھڑا ہو گیا میں نے جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ابا یہ مولوی سید مہدی علی صاحب ہیں جو اپنی جستی اور رسائی عقل سے بہت جلد چھٹوں سیڑھیوں پر گئے ان کو میں اس عمدہ مقام میں پہنچا ہوا دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا۔ مولوی سید مہدی علی صاحب نے بھی ایک جلد سید احمد خاں کے سامنے سے اٹھالی اور انہوں نے بھی اُسکے مضامین باوازلہ ان لوگوں کو سنانے شروع کئے جو بازینہ طے کر رہے تھے یا زینہ کے نیچے اُس پر چڑھنے کی فکر میں کھڑے ہوئے تھے +

میں نے ایک آدمی مولوی صاحب کو بھی دیکھا جو چوتھی سیڑھی سے پانچویں سیڑھی پر چڑھنے کی تیاری کر رہے تھے اور غنقریب پانچویں سیڑھی پر پہنچنا چاہتے تھے۔ مگر انہوں نے مجھے دور سے اشارہ سے منع کیا کہ میرا نام ابھی کسی سے نہ لینا انہوں نے بھی سید احمد خاں کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کر دی اور جہاں وہ سید احمد خاں سے قریب ہونے کی وجہ سے اچھی طرح سنتے اور سمجھتے تھے اُس کو نیچی سیڑھیوں والوں کو سمجھانے لگے۔

پہلی اور دوسری سیڑھیوں والوں کی کیفیت دیکھ کر مجھ کو بے اختیار ہنسی آئی میں نے دیکھا کہ وہ سید احمد خاں کی آواز سنتے ہی دوڑے اور کوئی پہلی اور کوئی دوسری سیڑھی اُس زینہ کی طے کر گیا گویا سید احمد خاں کے منشا کی پوری تعمیل میں مصروف ہیں لیکن بالائینہ وہ سید احمد خاں سے مخاطب ہو کر زبان درازیاں کرتے جاتے ہیں اُن میں سے کوئی کہتا ہے کہ سید احمد خاں کی ایک مت سنو کوئی کہتا ہے کہ بالکل اُس کے برخلاف کام کر دے کہتے جاتے ہیں اور اوپر کو چڑھتے جاتے ہیں۔ سید احمد خاں بھی اُن کی اس حالت کو دیکھ کر ہنس کر اُڑے اور کہنے لگے کہ کیسے پاگل آدمی ہیں جس کام کو کرتے جاتے ہیں اُسی کو بُرا کہتے ہیں جس سے استہ کو بند کرتے ہیں اُسی طرف کو چلتے جاتے ہیں گزرتا رہے مگر سید احمد خاں اُن کو بھی طے کرنا باقی ہیں سمجھا رہے ہیں جلد سے جلد اُن سے کر لیتے ناواں ہیں بری طے کریں گے۔

یہ مزے مزے کی باتیں دیکھ کر میں اُس ٹیلہ پر سے اُتر آیا اور اُس وقت سمجھا کہ سید احمد خاں کے تہذیب الاخلاق نے ہندوستان کے مسلمانوں میں کیا اثر پیدا کیا ہے اور آئندہ کیا اثر پیدا کرے گا۔

درستہ العلوم مسلمانان

اور

جناب حاجی مولوی سید علی بخش خاں صاحب بہادر

اور

جناب مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر

چند روز پہلے جناب حاجی مولوی علی بخش خاں صاحب بہادر نے اخباروں میں یہ مشہر فرمایا ہے کہ مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر نے اُنکے ساتھ وعدہ خلافت کی اور جن شرطوں پر جناب مدوح

نے درستہ العلوم میں آٹھ سو روپیہ چندہ دینے کا وعدہ فرمایا تھا کمیٹی خزانۃ البضاعۃ نے اپنے اجلاس ۵۔ اگست ۱۹۰۶ء میں اُن کے برخلاف کارروائی کی اور اس لئے جناب ممدوح اب نہ درستہ العلوم میں شریک ہونگے اور نہ چندہ مشروطہ دینگے +

میں نے جناب ممدوح کی تحریر کو اول سے آخر تک دیکھا۔ میری ملی تمنا یہ تھی کہ میں اس تحریر کے چھپنے سے پہلے پنج کے طور پر جناب ممدوح کی خدمت میں کچھ عرض کرتا اور اگرچہ جناب ممدوح نے مجھ کو اس بات کا موقع بھی دیا لیکن افسوس ہے کہ مجھ کو اپنے عمدہ کے کاموں سے اُس عرصہ میں مطلق فرست نہ ملی اور یہ تحریر جناب ممدوح نے شہر فرمادی۔ میں نے پہلے یہ سنا تھا کہ جناب موصوف کو بعض امور کی نسبت کچھ شکایت ہے لیکن میں یہ نہ سمجھا تھا کہ اتنی لمبی شکایت ہوگی یا وہ سید احمد خاں صاحب اور کمیٹی خزانۃ البضاعۃ پر اس قدر سخت الزام عاید کریں گے جیسا اُن کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے بہر حال اب میں نے اُن کی تحریر کو اول سے آخر تک دیکھا اُن کی تمام تر تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سید احمد خاں صاحب نے اُن سے دو شرطیں کی تھیں اور انہیں شرطوں پر جناب موصوف نے آٹھ سو روپیہ چندہ لکھا تھا۔ پہلی شرط یہ تھی کہ سید احمد خاں صاحب اور اُن کی کمیٹی خزانۃ البضاعۃ کا کوئی ممبر تعلیم مذہبی میں مداخلت نہ کرے بلکہ مذہبی تعلیم کی کمیٹی جدا قائم ہو اور اُس میں اور ایسے لوگ شریک کئے جائیں جن پر عام مسلمانوں کو اطمینان اور اعتماد ہو اور سید احمد خاں اور ممبران موجودہ کمیٹی خزانۃ البضاعۃ کبھی اس مذہبی کمیٹی میں شریک نہ ہو سکیں۔ دوسری شرط یہ تھی کہ اس مذہبی کمیٹی کے ممبروں کی تعداد اور اُن کا انتخاب اور اُس کمیٹی کی کل سربراہی یہ سب کچھ جناب حاجی صاحب موصوف کے یہ قدرت میں رہے جس کو وہ اپنے نزدیک مسلمان اور لائق اعتماد سمجھیں اُس کو شریک کریں جن پر اُن کو اطمینان نہ ہو اُن کو شریک کریں +

پھر جناب ممدوح رقم فرماتے ہیں کہ کمیٹی خزانۃ البضاعۃ نے بالکل ان شرطوں کے برخلاف کارروائی کی نہ تو مذہبی کمیٹی کے ممبروں کا مقرر کرنا اور اُن کا منتخب کرنا جناب مولانا صاحب کے اختیار میں چھوڑا گیا اور جو مذہبی کمیٹی قائم ہوئی تجویز ہوئی اُس میں سید احمد خاں صاحب اور اُن کی کمیٹی کی مداخلت قائم رہی اور اکثر وہی لوگ اُس کے ممبر ہونے قرار پائے جو پہلے سے کمیٹی خزانۃ البضاعۃ کے ممبر ہیں۔ واذات الشروط فات المشروط۔ جب جناب مولانا کی شرطوں کو کمیٹی نے پورا نہ کیا تو جناب موصوف کو بھی چندہ ادا کرنے سے انکار ہوا جس کا ادا ہونا انہیں شرطوں کے پورا ہونے پر منحصر تھا +

مگر میرے نزدیک جناب مولانا ممدوح کی یہ کل شکایت اور اُن کا یہ کل خیال غلط ہے اور اُن کا یہ عذر چندہ دینے کے لئے کسی طرح کافی نہیں ہے اور نہ کبھی سید احمد خاں صاحب اور مولانا صاحب کبھی ایسی شرطیں

جن پر جناب مولانا صاحب کی شرکت درستہ العلوم میں منحصر ہوں قرار پائیں اور نہ ان شرطوں پر جناب ممدوح نے کبھی اپنے چندہ کا دینا منحصر کیا اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں کچھ لکھوں اور اُمید ہے کہ جناب ممدوح میری اس جرأت کو معاف فرماویں گے اور جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں اس کو ویسی ہی انصاف کی نظر سے دیکھینگے جس کی مجھ کو ان سے اُمید ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ میں اس وقت ایک گاؤں میں مقیم ہوں اور کوئی کاغذ درستہ العلوم کے متعلق یہاں میرے پاس نہیں ہے اور اس لئے میں اس تمام خط و کتابت میں سے جن کا حوالہ اس مضمون میں دینا ضروری ہے بعض بعض عبارتوں کو بحسنہ نقل نہیں کر سکتا لیکن چونکہ وہ سب کاغذ میرے بخوبی دیکھے ہوئے ہیں اس لئے غالباً کہ میں کوئی ایسی غلطی نہ کروں گا جس سے اصل مطلب میں کچھ خلل واقع ہووے +

جس عرصہ میں مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر اور مولوی حاجی علی بخش خاں صاحب بہادر کے باہم گورکھپور میں یہ مصالحت واقع ہوئی میں بھی گورکھپور میں موجود تھا اور ہر ایک مجلس اور مشورہ میں شریک ہوتا تھا بلکہ خود پیش ہی اس باہمی مصالحت کا محرک ہوا تھا اور اسی لئے جب میں نے اول ہی یہ سنا کہ جناب حاجی صاحب ممدوح کو شرائط صلح کی عدم تعمیل کی نسبت کچھ شکایت ہے اور چندہ دینے اور درستہ العلوم میں شریک ہونے سے انکار کرتے ہیں تو مجھ کو حد سے سوا افسوس ہوا +

علو جاہ کی تدبیر جو ہم لوگ کرتے ہیں

ہماری سعی باطل دیکھ کر تقدیر ہنستی ہے

خیر وہ توجہ ہوا سو ہوا۔ مگر اصل مطلب کی طرف متوجہ ہونا چاہئے +

میں نے جب ابتداً جناب حاجی صاحب بہادر کی خدمت میں گورکھپور میں درستہ العلوم کا تذکرہ چھیڑا اور ان سے یہ خواہش کی کہ وہ بھی اب درستہ العلوم میں شریک ہو جائیں اور اس کی ترقی میں کوشش فرمادیں تو جناب مولوی صاحب ممدوح نے بہت سے گلے اور شکوے کئے اور بہت دیر تک اس باب میں گفتگو فرمائی۔ یہ گفتگو بہت لمبی تھی مگر خلاصہ کلام یہ ہے کہ جناب ممدوح نے فرمایا کہ ”میں صرف اس وجہ سے اب تک درستہ العلوم میں شریک نہیں ہوا کہ مجھ کو اس کے طالب علموں کی مذہبی تعلیم کی طرف سے کبھی اطمینان نہیں ہوا اور ہمیشہ اس بات کا خوف رہا کہ جس قسم کے عقاید سید احمد خاں صاحب کے ہیں ویسے عقاید کی تعلیم اس مدرسہ میں طالب علموں کو بھی ہوگی۔“ میں نے عرض کیا کہ میں آپ ایسا خیال نہ فرمادیں اور سید احمد خاں صاحب کا کبھی یہ ارادہ نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے خود ہی ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اگر اس طرح سے مذہبی کمیٹی بالکل چھٹا قائم ہو اور اس میں صرف ایسے لوگ شریک ہوں جن پر عموماً مسلمانوں

کو اعتماد اور بھروسہ ہو تو آپ کی خاطر جمع ہو جاویں گی یا نہیں۔ فرمایا کہ ہاں لیکن سید احمد خاں امد کوئی ممبر کمیٹی خزانۃ البضائع کا اُس میں شریک نہ ہو۔ میں نے عرض کیا کہ سید احمد خاں آپ کے نزدیک قصودِ دار میں شریک نہ ہوں لیکن اُور میرا کمیٹی خزانۃ البضائع نے کیا قصود کیا ہے جو وہ عموماً ناقابلِ شرکت کمیٹی مذہبی قرار پادیں صرف اتنی بات سے کہ کوئی شخص کمیٹی خزانۃ البضائع کا ممبر ہے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔

میں نے اُن سے عرض کیا کہ کیا آپ جملہ ممبران کمیٹی سے واقف ہیں کیا آپ کے نزدیک سب بدین اور مرتد ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کمیٹی خزانۃ البضائع میں ایسے ایسے بھی ممبر ہیں جو شاید سید احمد خاں صاحب کے ہاتھ کا چھوٹا ہوا پانی بھی نہ پیئیں اور آج تک انہوں نے ہمیشہ سید احمد خاں کی باتوں کو محض نحو سمجھ لیا ہے اور کبھی اُن کی بات کا جواب تک نہیں دیا۔ ایسے لوگوں نے کیا قصود کیا ہے جو آپ اُن کو مذہبی کمیٹی میں شریک ہونے سے منع کرتے ہیں۔ اُن میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کی دینداری اور تقویٰ پر ہماری طرف تمام مسلمانوں کو اطمینان ہے پس اگر یہ شرط لگائی جائے تو وہ لوگ اپنے دل میں کیا کیسے گئے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ جب عام مسلمانوں کو اُن کی دینداری پر بھروسہ تو وہ کیوں مذہبی کمیٹی میں شریک نہ ہوں پھر میں نے جناب ممدوح کے سامنے محمد عبدالشکور خاں صاحب رئیس بھیکم پور ضلع علیگڑھ اور نواب محمد محمد علی خاں صاحب رئیس چھتاوری ضلع بلند شہر کا نام لیا کہ یہ لوگ بھی کمیٹی خزانۃ البضائع کے ممبر ہیں آپ ان لوگوں سے واقف ہیں فرمایا کہ نہیں میں ان کے حالات سے واقف نہیں ہوں (لیکن جناب ممدوح علیگڑھ کے ضلع میں عرضہ تک چکے ہیں اس لئے میں نہیں سمجھتا کہ اُس وقت اُن کا یہ انکار کس مصلحت پر مبنی تھا) میں نے عرض کیا کہ بس اب آپ جب اُن کے حالات تک واقف نہیں تو اُن کو ناقابلِ اعتماد کیونکر تسلیم کئے لیتے ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جناب ممدوح اُس وقت کچھ اس تقریب سے کنارہ کرنا چاہتے تھے۔

لیکن میری یہ گفتگو اس قدر صاف صاف تھی کہ کوئی شخص اُس سے انکار نہیں کر سکتا تھا اور جو لوگ وہاں بیٹھے انہوں نے بھی مجھ سے اتفاق کیا اور اُن میں سے جن کو جرأت ہوئی انہوں نے کچھ دبی دبی آواز سے اپنے اُس اتفاق رائے کو ظاہر بھی کر دیا (اس مقام کی باریکی اور خوبی کو گورکھ پور کا ہی خوب سمجھینگے) آخر مولانا صاحب ممدوح کو بھی سوائے تسلیم کے اور کچھ زبان پڑا اور انہوں نے فرمایا کہ ہاں اگر مسلمانوں کو کسی ممبر کمیٹی خزانۃ البضائع پر بھی اعتماد ہو تو اُس میں کیا عذر ہو سکتا ہے پس اُن کا یہ فرمانا تھا کہ سب قسم ختم ہو گیا اس لئے کہ مجھ کو خوب معلوم تھا کہ ابتدا سے سید احمد خاں صاحب بہادر کی بھی رائے تھی کہ متواتر کمیٹیوں میں یہ ذکر ہوا تھا کہ مذہبی کمیٹی جدا قائم ہوگی +

میں اس مجلس سے بہت خوش خوش اٹھا اور سید احمد خاں صاحب کے یہ سب کہانی بیان کی

جن کو میری اس گفتگو کا خیال تک بھی نہیں تھا اور اُن کے بلا کسی قسم کے ایما اور اطلاع کے ہیں میں نے خود اس بات سے کہ مسلمانوں کے آپس میں اس قسم کی نا اتفاقی قائم ہے حق ہو اس تحریک میں سبقت کی تھی سید صاحب نے نہایت خوشی سے ان سب باتوں کو منظور کیا۔ اسکے بعد چند اور تحریکیں وغیرہ ہوئیں جن کا بیان میں خلافت رازداری سمجھتا ہوں اسکے بعد جناب ممدوح نے اپنا ابتدائی باضابطہ خط لکھا جس کا مضمون اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ سید احمد خاں اور کمیٹی خزانۃ البضائع کا کوئی ممبر بھی کمیٹی میں شریک نہ ہوں +

اگر میری یاد نے خطا نہیں کی ہے تو اس خط کا مسودہ بھی خود میرے سامنے لکھا گیا تھا ایک ممبر پر شمع کے سامنے ایک شخص لکھتا جاتا تھا جس کا میں نام نہ لوں گا اور جناب مولانا صاحب ممدوح بتلاتے جاتے تھے اُن کی زبان سے پھر وہی لفظ نکلا کہ سید احمد خاں اور ممبران کمیٹی خزانۃ البضائع کی مداخلت کمیٹی مذہبی میں ہو۔ میں نے پھر قلم کو روکا اور پھر عرض کیا کہ یہ بات ایک دفعہ طے ہو چکی ہے اور یہ ہونی نہیں سکتا چنانچہ جناب ممدوح نے یہ لکھنا موقوف کیا اور صرف یہ الفاظ قائم رہے کہ سید احمد خاں اور اُن کی کمیٹی خزانۃ البضائع تعلیم مذہبی میں کچھ مداخلت نہ کرے اور تعلیم مذہبی کے واسطے علیحدہ ایک کمیٹی قائم ہو۔ الخ +

پس جب اس قدر بحث و گفتگو کے بعد ممبروں کا لفظ جناب مولانا صاحب کی شرط اور اُن کے خط میں سے خارج کیا گیا اور صرف سید احمد خاں صاحب اور کمیٹی خزانۃ البضائع کے رجس میں جناب ممدوح کے نزدیک ملحدین اور مرتدین بھی شامل تھے عدم مداخلت کی شرط باقی رہی تو اب میں نہایت ادب کے ساتھ جناب ممدوح سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آیا اُن کا یہ فرمانا سچ ہے کہ کمیٹی خزانۃ البضائع سے اُن کی مراد بالانفراد اُس کمیٹی کے ہر ایک ممبر سے تھی۔ اور اگر جناب موصوف اب بھی یہ فرماویں گے کہ ہاں یہی مراد تھی تو میں آسمان کی طرف دیکھ کر اور ایک آہ بھر کر چپ ہو رہوں گا اور اُن سے کچھ نہ کہوں گا اس لئے کہ وہ میرے نزدیک ہر طرح واجب التعظیم ہیں اُن کو روضہ منورہ جناب سالت آباد سے سید الحاج کا معزز خطاب عنایت ہوا ہے مگر یہ ضرور کہوں گا کہ سخن فہمی عالم بالا معلوم +

لیکن ابھی انصاف دنیا کے پردہ سے بالکل اٹھ نہیں گیا ہے اس مضمون کے پڑھنے والے خود انصاف کر لیں گے کہ جناب سید الحاج صاحب کا کمیٹی خزانۃ البضائع کی عدم مداخلت کی شرط سے اب یہ استدلال کرنا کہ اس کمیٹی کا کوئی ممبر اس شرط کے بموجب مذہبی کمیٹی میں شریک نہیں ہو سکتا اور ان کا بیڑ ٹک مشرک کر دینا کہ ہم سے صاف یہ شرط ہو گئی تھی کہ اُس کمیٹی کا کوئی ممبر مذہبی کمیٹی میں

شریک نہ ہوا یا صحیح ہے یا جناب سید الحاج صاحب کی دیانت اور دینداری پر ایک بہت بڑے الزام کا جواب ہے اور جو شخص سید احمد خاں صاحب کی طبیعت اور جناب سید الحاج صاحب کے اقتدارِ اعظم سے آگاہ ہیں کیا وہ اس بات کو مستحکم اعتبار سے نہ پڑینگے کہ سید صاحب نے ایک جناب مولوی حاجی علی بخش خاں صاحب بہادر کے شریک کر نیکی غرض سے آنکھوں پر ایسی ٹھیکری رکھ لی ہوگی کہ محمد عبدالشکور خاں صاحب اور نواب حاجی محمد محمود علی خاں صاحب اور مولوی حافظ محمد اسماعیل صاحب اور مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب اور اپنی کمیٹی خزانۃ البضاعتہ کے اور اکثر دیندار اور پرہیزگار ممبروں کے ارتداد اور الحاد کو قبول کر لیا ہو جس کی وجہ سے جناب سید الحاج صاحب کمیٹی خزانۃ البضاعتہ کے کسی ممبر کو بھی مذہبی کمیٹی میں شریک کرنا نہیں چاہتے تھے اور نہ اب تک اُس پر رضامند ہیں +

مجھے یقین ہے کہ ہر ایک شخص جس کو خدا نے کچھ بھی عقل دی ہوگی اس مضمون کے پڑھنے کے بعد ایک لمحہ پھر بھی کبھی اس بات کا یقین نہیں کریگا کہ جناب سید الحاج صاحب کے اس عذر میں کچھ بھی سچائی اور استیلازی شامل ہے +

اب میں دوسری شرط اور اُس کے نقص کی نسبت کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں اور پھر اپنے اُسی دعوے کا اعادہ کرتا ہوں جو میں ختمِ مضمون میں بیان کر آیا ہوں کہ جناب مولانا صاحب کی شرکتِ مرتبہ العلوم کے لئے ہرگز یہ شرط قرار نہیں پائی اور نہ اس شرط پر کبھی جناب ممدوح کا چندہ ادا ہونا منحصر ہوا تھا + یہ بات کہ مذہبی کمیٹی کے ممبروں کا تعین اور اُن کا انتخاب صرف جناب مولانا صاحب کی سائے پر منحصر ہو اُن شرطوں میں سے کوئی شرط نہیں تھی جن کو جناب ممدوح نے اپنی طرف سے منظوری کے لئے پیش کیا تھا پھر اُس کی تعمیل کمیٹی خزانۃ البضاعتہ یا سید احمد خاں صاحب کے ذمہ کس طرح واجب قرار پا سکتی ہے جناب سید الحاج صاحب بہادر بھی خدا کی عنایت سے ایک عدالت کے قاضی القضاۃ ہیں کیا اُن کے نزدیک کبھی کسی معنی کو اُس کے دعوے سے زیادہ کی ڈگری دی جاسکتی ہے +

یہ بات سید احمد خاں صاحب کی نہایت صفائیِ قلب کی تھی کہ جب اُنہوں نے جناب سید الحاج صاحب کی زبان سے یہ سنا کہ میری مخالفتِ درستیہ العلوم سے اب تک صرف اسلام کی خیر خواہی کے لحاظ سے تھی تو اُنہوں نے فوراً اس بات کا یقین کر لیا کہ ایسا شخص ضرور مسلمانوں کی خیر خواہی کرے گا اور اُنہوں نے اُس وقت اپنے نزدیک جناب ممدوح کو ہر طرح اس کام کے لائق سمجھا اور اُن کی پیش کی ہوئی شرطوں کو بتمامہ منظور کر کے نہایت گرمجوشی سے اپنی طرف سے یہ فقرہ اور مسترد کیا کہ اُس مذہبی کمیٹی ممبروں کی تعداد ان کا ابتداً منتخب کرنا یہ بھی سب آپ ہی کے ذمہ ہے اور میں اور ممبروں سے

اُس کی منظوری طلب کرتا ہوں۔“ دو ممبر جو دماں موجود تھے راجن میں سے ایک میں بھی تھا انہوں نے بھی اسی خیال سے اُس وقت سید صاحب کی رائے سے اتفاق کیا اور یہ سوچے کہ کہیں خدا کسی طرح مسلمانوں کے اس باہمی اختلاف کو دور بھی کرے جو ہماری قومی ترقی کے کاموں میں مارج ہے لیکن دماں مضمون اس کے بالکل برخلاف نکلا۔ ۵

مازیار اں چشم نیکی داشتیم خود غلط بود آنچه ما پنداشتیم
اور ممبروں کے پاس سے جو جواب آئے اُن میں اکثروں نے سید صاحب کے اس طبع فراہمستزاد سے اختلاف کیا یہ تو سب نے لکھا کہ مذہبی کمیٹی بلاشبہ جدا ہونی چاہئے جس میں مسلمانوں کے معتقد علیہ لوگ شریک ہوں لیکن اس کو پسند نہ کیا کہ صرف مولوی علی بخش خاں صاحب بہادر کی اکیلی رائے سے لوگوں کی دینداری یا بدینی کا فیصلہ عمل میں آوے پس جب ممبروں نے کثرت سے اس سے اختلاف کیا تو اکیلے سید احمد خاں کی کچھ پیش نہ چلی اور کمیٹی خرابضاعت نے ایک اور نہایت ہی عمدہ طریقہ اختیار کیا +

ممبران موصوف کے جس قدر خط گورکھپور میں سید صاحب کے پاس آچکے تھے اور جس میں مذکورہ بالا اختلاف بٹھے شد و مد کے ساتھ بہت کثرت سے موجود تھا یہ سب خط سید صاحب نے جناب ممدوح کو ملاحظہ کرادیئے تھے اور خود میں ہی اُن خطوں کو لیکر گیا تھا اور اُن کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اب یہ بڑی ذمہ داری کا کام کمیٹی خزانۃ البضاعتہ صرف میرے اکیلے کی رائے پر منحصر نہ کرے گی اور پھر ان سب واقعات کے بعد گورکھپور میں وہ جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں جناب سید الحاج صاحب بہادر نے آٹھ سو روپیہ چندہ کے لکھے پس بعد معلوم کر لینے ان سب حالات کے کون شخص ہے جو یہ ہی کہہ سکیگا کہ جناب ممدوح کا چندہ اس شرط پر مشروط تھا اور اُس شرط کا نقص عمل میں آیا اور اگر اب بھی کسی کو سمیں شبہ باقی رہ گیا ہو تو میں اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح طور پر اس کو ثابت کر سکتا ہوں +
گورکھپور کی مجلس میں جس وقت چندہ کی فرست پیش ہوئی تو سب سے پہلے جناب مولانا صاحب کے سامنے خود میں نے اُس فرست کو پیش کیا جناب مولانا ممدوح نے آٹھ سو روپیہ چندہ کے اُس میں وسیع فرمائے اور اپنے دستخط ثبت کئے اور اُس کے بعد انہوں نے کچھ اور عبارت لکھنی چاہی میں نے جھک کر اُس کو دیکھا مولانا صاحب اس قدر لکھ چکے تھے کہ مسجد اہل سنت و جماعت کے واسطے اُس کے بعد انہوں نے اپنی شرطوں کی منظوری کا تذکرہ اور لکھنا چاہا میں نے اُس وقت اُن کو دُعا کا اومڑا ہستہ سے عرض کیا کہ شرطوں سے کونسی شرطیں مراد ہیں آپ کی شرطیں صرف

وہ ہیں جو آپ کے خط میں ہیں۔ اور یہ میں نے اسی لئے عرض کیا تھا کہ جو بات سید صاحب نے اپنے خط میں اپنی طرف سے پڑھادی تھی اور اُس کی نسبت ہر طرف سے ممبروں کے انکار اور اختلاف چلے آتے تھے کہیں اُس کو مولانا صاحب شرط میں داخل نہ کر دیں۔ جناب ممدوح بھی خوب طرح اس بات کو سمجھے اور انہوں نے اُس کے بعد یہ لکھا کہ بعد تعمیل ہو جانے شرائط مندرجہ خط ہمارے کے ہمارا یہ چندہ فرست چندہ میں دبیج کیا جاوے۔ پس اب جناب ممدوح مدد بانی سے ارشاد فرمادیں کہ کیا یہ بات سچ ہے کہ یہ دوسری شرط بھی اُن کے چندہ سے متعلق تھی اگر فرمادیں کہ ہاں تو میں پھر وہی عرض کروں گا جو اوپر عرض کر چکا ہوں کہ ”سخن فہمی عالم بالا معلوم“ لیکن کیا کوئی شخص اب یہ کہہ سکیگا کہ جناب ممدوح کا چندہ ان شرطوں پر مشروط تھا نہیں کبھی نہیں +

اب میں نہایت ادب سے جناب ممدوح کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کا چندہ صرف اس بات پر مشروط تھا کہ مذہبی کمیٹی جُدا قائم ہو۔ سید احمد خاں یا کمیٹی خزانۃ البعائۃ کو اُس میں کچھ مداخلت نہ ہو۔ ایسے لوگ اُس کمیٹی میں شریک ہوں جن پر مسلمانوں کا اعتبار ہو خواہ وہ پہلے سے کمیٹی خزانۃ البعائۃ کے ممبر ہوں یا نہ ہوں (جیسا ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں) پس اب جناب ممدوح انصاف سے دیکھ لیں کہ اُن سب شرطوں کی تعمیل جیسی چاہئے تھی ویسی ہے۔ بلکہ اُس سے بھی زیادہ خوبی اور احتیاط کے ساتھ ہو گئی ہے یا نہیں اس وقت مذہبی کمیٹی جُدا قائم ہے اور اُس کو ایسے لوگوں نے مقرر کیا ہے جن کا نام اس عرض کے واسطے تین مہینے سے زیادہ اخباروں میں مشترک ہو چکا تھا اور کسی مسلمان نے اُس پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ سید احمد خاں یا کمیٹی خزانۃ البعائۃ کو اُس کمیٹی کی کارروائی میں کچھ بھی مداخلت نہیں ہے۔ وہ کمیٹی اپنی کارروائی آپ کر رہی ہے اور اب مذہبی تعلیم کے لئے کتب درسیہ کا سلسلہ پیش کرنے والی ہے غرض ہر طرح سے جناب ممدوح کی وہ شرائط جن پر اُن کا چندہ ادا ہونا منحصر تھا۔ پوری ہو چکی ہیں۔ اب یہ وقت ہے کہ جناب ممدوح چپ چاپ آٹھ سو روپیہ کا نوٹ رجسٹری کر کر سید احمد خاں صاحب کے پاس بھیج دیں لیکن یہاں حسب حال مجھ کو یہ شعر یاد آیا۔

گر جاں طلبی مضائقہ نیست

زرمی طلبی سخن درین است

والسلام

مضامین سید محمود صاحب

شدت انقا

ہم کو اپنے ایک دوست کا قول خوب یاد ہے کہ پرہیزگاری اور اتقا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے ہم خود اس کے قابل ہیں پس اس مختصر مضمون کے لکھنے سے ہماری یہ غرض نہیں کہ اتفاقی نفس اچھا نہیں بلکہ ظاہر کرنا منظور ہے کہ اتقا کو حد شرعی سے زیادہ لیجانا اچھا نہیں ہے بہت سے ہمارے ہم مذہب جو کہ نہایت نیک اور پابند شرع ہیں اکثر اپنی نیک نیتی کی زیادتی کے سبب ایک بڑی غلطی میں پڑتے ہیں یعنی اتقا کو اچھا سمجھ کر اس قدر حد کو پہنچاتے ہیں کہ فی الحقیقت جو غرض شارع کی اتقا کی تقلید سے ملتی رہتی ہے شاید اس سے بڑھ کر کوئی غلطی نہیں ہو سکتی کہ کسی شے کو نیک یا مفید سمجھ کر اس کو مقدار مناسب زیادہ اختیار کرے اور اس بات کو خیال میں نہ رکھے کہ شرع میں کس قدر جائز ہے ہمارے ہر ایک ایک بڑے شخص نے شارع اور شرع اور امت کی طیب اور دود اور مریض سے تشیل دی ہے تشیل حقیقت میں نہایت عمدہ ہے اور اس ہی سے ہم اپنے قول کو ثابت کرینگے اگر کوئی مریض نسخہ میں یہ پڑھ کر کہ میں تولہ بھر گلقد چار روز متواتر کھانے سے اچھا ہو جاؤں گا یہ نتیجہ نکالے کہ گلقد ایسی دوا ہے کہ میرے مرض موجودہ کو فائدہ بخش ہے تو یہاں تک اس کا نتیجہ درست ہو گا کیونکہ بلاشبہ گلقد اس کے مرض کے لئے مفید ہے ورنہ طیب ہرگز نہ لکھتا پھر اگر دو روز نتیجہ نہ نکالے کہ تولہ بھر تو چار دن میں اچھا کرتا ہے تو چار تولہ ایک ہی دن میں اچھا کر دیگا اور آدھیر تو کھاتے ہی شفا یاب ہو جاؤں گا یہ نتیجہ بالکل غلط ہو گا کیونکہ آدھیر گلقد کا ایک مرتبہ کھالینا شفا بخشے کی عوض آدھیر مضر ہو گا اور جو مقصد طیب کا نسخہ میں گلقد کے لکھنے سے تھا وہ ہرگز حاصل نہ ہو گا اور مریض طیب کو خوش کرینگے بدلے اس کو آدھیر ناراض کر دیگا۔ ایسی حالت اتقا کا جو کہ مقدار مناسب یعنی حد شرعی سے زیادہ ہو ہم نے شدت اتقا نام رکھا ہے +

اگر ہماری تشیل مذکورہ بالا سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اتنا اتقا جس کو ہم شدت اتقا کہتے ہیں کرنا فائدہ کی عوض نقصان کرتا ہے تو بلاشبہ ایسا اتقا شرعاً ناجائز ہے یہی باعث تھا کہ ہمارے رسول خدا صلعہ

نے اس قسم کی عبادت کو جس سے کہ دنیا کے تمام کاروبار میں خلل واقع ہو منع فرمایا ہے لادھبانیۃ فی الاسلام حدیث صحیح ہے اور اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شرعی حد سے زیادہ اتفاق کرنا جائز نہیں بلکہ اس کا نام اتفاق نہیں کلام مجید میں بھی اس مقدار مناسب زیادہ عبادت کرنے کا ذکر آیا ہے یا ایہا الذلیل قدام اللیل الا قلیلا +

یہ بات تمام دلائل عقلی سے بھی ثابت ہے کہ زیادہ ہر شے کی اچھی نہیں جبکہ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اسلام ایسی نعمت عطا فرمائی ہے کہ جس سے دنیا و دین دونوں کی بتری حاصل ہو تو کیا صاف ظاہر نہیں ہے کہ ایک ہی کے پیچھے ہو رہنا نصف فائدہ کھانا ہے عین کلام اللہ میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو دعا سکھائی ہے دینا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرۃ حسنة و قاعد اب الناس دینا اور دین دونوں کے لئے دعا مانگی ہے اور اس سے بھی ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے +

تمام دنیا اس بات سے متغیر ہے کہ اسلام نے وحشی عربوں کو یکبار دنیا اور دین دونوں کی خوبیاں کیونکر دیں اس ہی بات سے اسلام کو اور مذہبوں پر فوقیت ہے کہ اور صرف یہودگی آخرت سکھانیکا دعویٰ رکھتے ہیں اور اسلام میں جس قدر احکام ہیں ان سے یہودگی دابین حاصل ہوتی ہے اس کی ہزار ہا مثالیں ہیں ایک اونے بات شراب و خنزیر اور قمار کی ممانعت ہے کہ اس کے فوائد بیان سے باہر ہیں۔ حکماء یورپ نے ثابت کیا ہے کہ شراب و لحم الخنزیر نہایت مضر ہیں اور یورپ کی قوموں نے شراب خواری اور قمار بازی کے بند کرنے کے لئے قانون بنائے ہیں یہ قانون اب حال میں بنے ہیں اور اسلام میں قریب نیزہ سو برس ہوئے موجودہ تھے +

ہماری اصل غرض یہ ہے کہ شرعی سے زیادہ اتفاق کرنا گویا کہ شارع سے بھی زیادہ متقی ہونیکا دعویٰ کرنا اور یہ مدست نہیں ہم کو ایک نہایت بزرگ شخص کی نقل یا ہے کہ انہوں نے اتفاق کو اس درجہ کو پہنچایا تھا کہ کافر کی شکل دیکھنے کو گناہ سمجھتے تھے اس اندیشہ سے کہ کافر کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہو ریل کا سفر مناسب نہیں سمجھتے تھے دنیا دار لوگوں کو ترک کر کے رات دن نماز و طیفہ میں مشغول رہتے تھے اگرچہ یہ بزرگوار بسبب اپنی نیکی کے بیشک تعظیم اور ادب کے لائق تھے لیکن ان کے حال پر بلاشبہ افسوس آنا چاہئے ایسا شخص جو کہ تمام دنیا کی صحبت چھوڑ بیٹھتا ہے گویا ایک نہایت خود غرض شخص ہوتا ہے کہ جس کو اوروں کو فائدہ دینا کچھ منظور نہیں صرف اپنی آخرت کے چین کے لئے یہاں محنت کرتا ہے بیشک شبہ اللہ تعالیٰ نماز و طیفہ سے خوش ہوتا ہے مگر اس سے صرف ان گوشہ نشین صاحب کا فائدہ ہے اور نہ کسی اور کا +

بڑا فائدہ نیک ہونیکا اوروں کو نیکی سکھانا اور ان کی خدمت کرنا ہے اور نہ خود غرضی سے صرف

اپنی عاقبت کی فکر کرنا جو شخص لوگوں کی صحبت اس طرح پر ترک کر بیٹھتا ہے اُس سے وہ فائدہ کبھی ظہور میں نہیں آتا جو کہ نیک آدمی کی صحبت سے چل ہوتا ہے نیک آدمی کو نیکی کرتے دیکھ کر اور نیک باتیں کرتے سُن کر خود نیکی کو دل چاہتا ہے اور نیکی پھیلتی ہے رسول خدا صلعم اور اصحاب کرام نے دکھا دیا کہ کیونکر اس دنیا میں زندگی بسر کرنی چاہئے +

ایک اور صاحب کا ذکر ہم نے سنا ہے کہ جنہوں نے حج کا اس طرح پر قصد کیا تھا کہ ہر قدم پر دو رکعت نماز پڑھتے جاتے تھے مگر یہ اُن سے پورا نہ ہوا اور اگر ہوتا بھی شاید صرف حکم انما الاعمال بالنیات اُن کو ہوتا ورنہ ایسے جو گویوں کی طرح حج کو جانا کہاں درست ہے اگر حج کرنا ثواب بقدر اُن کا لیفہ کہ جو کہ قصد انسان اپنے پر ڈالے ہوگا تو ہندو جو گویوں کی طرح زمین پر لوٹ کر حج کو جانے سے تو شاید سب سے زیادہ ثواب ہو مگر اسلام میں ایسی لغو حاجت کی تکلیف اٹھانی درست نہیں لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا +

بعض ہمارے ہم مذہب مسلمان بھائی بلاشبہ نیک نیتی سے تعصب کو اتفاقاً اور جہل بہنے کو پرہیزگاری سمجھتے ہیں حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ اگر ہم سچے اور سچے مسلمان ہیں تو شاید ہماری صحبت سے کافر مسلمان ہو جاوے کافر کی زبان یا علوم تحصیل کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں حالانکہ اگر ہم اصل دیندار اور پختہ ایمان دار ہیں تو مخالفین اسلام کے علم کو سیکھ کر اُن کے ساتھ مناظرہ کرنے کے خوب قایل ہوں گے اور اسلام بدلے کمزور ہونے کے اور مستحکم ہوگا +

انگریزی علوم تحصیل کرنے کو ہمارے متعصب بھائی مسلمان گناہ سمجھتے ہیں حالانکہ خلفائے بغداد کے زمانہ میں جس قدر علم عربی میں آیا وہ سب زبانِ گریک یعنی یونانی سے ترجمہ کیا گیا اور اُس زمانہ کے اکثر علماء گریک کو جو کہ کفار کی زبان تھی بدرجہ تکمیل تحصیل کرتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو جس قدر طب کہ ہمارے ہاں موجود ہے کچھ نہ ہوتی اور فلسفہ اور منطق کا تو نام بھی نہ ہوتا +

الغرض جو نواید کہ اپنے مخالف کے بھیدوں کے معنوم کرنے سے ہوتے ہیں وہ سب تعصب جاتے

رہتے ہیں اور ہم خود جہل مرکب میں پڑے رہتے ہیں +

لیکن یہ جاہلانہ تعصب فی زمانہ محض ہمارے ادبار و کم نعتی کے سبب ہم مسلمانوں میں آگیا ورنہ زمانہ قدیم میں کفار کی زبان تحصیل کرنا کچھ بُرا نہ سمجھا جاتا تھا حضرت شیخ سعدی رحمہم اللہ نے زبان لیشنِ نبایت محنت سے تحصیل فرمائی تھی اور وہ لوگ جنہوں نے کہ تصنیفات ارسطو اور افلاطون اور سقراط کا ترجمہ عربی میں کیا وہ گریک سے خوب ہی واقف ہوں گے +

ہم اس مختصر مضمون کے لکھنے سے نہ تو اُن صاحبوں کو جن کو اتفاقاً کا دعویٰ ہے نا اہل کرنا منظور ہے

اور نہ یہ ہے کہ ہم اپنے تئیں ناصح بننے کے لائق سمجھتے ہیں بلکہ چند اپنے خیالات اُن صاحبوں کے لئے درج کرتے ہیں جو کہ جاہل رہنے اور متعصب ہونے کو تقوئے سمجھتے اور اُن کو جو کہ عین اہل اسلام کی ترقی اور بھلائی کے خواہاں ہیں مخالفین اسلام میں شمار کرتے ہیں +

دوستی کا برتاؤ

تہذیب الاخلاق کے نمبر اول جلد دوم میں ہم ایک مضمون دوستی پر لکھ چکے ہیں اُس میں ہم نے صرف اصول اور فوائد دوستی پر بحث کی تھی اس مضمون میں دوستی کے برتاؤ کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کرنے منظور ہیں +

سب اس بات کو ملتے آئے ہیں کہ دوستی انسان کی راحت کو دو چند اور مصیبت کو نصف کر دیتی ہے یعنی ہماری خوشی میں دوست بھی ہمارے ساتھ خوش ہو کر اُس خوشی کو دو چند کر دیتا ہے اور غمی میں دوست کی ہمدردی سے رنج کا ادھابو بھ ہم پر سے ٹل جاتا ہے اگرچہ یہ قول بالکل سچائی پر مبنی ہے مگر اس سے نتیجہ نہیں نکلتا کہ بہت سے دوست رکھنے بہتر ہیں۔ عقلاً و تقدیر میں سے ایک کا قول ہے کہ بہت سے ہوا خواہ بنا کر دوست بہت کم سبکے ساتھ امن سے رہا مگر ہزار میں سے ایک کو اپنا صلاح کار بنا لے یعنی دوستی کم آدمیوں سے کر اور کسی کو دشمن بننا کیونکہ دوستی کا بنا ہونا مشکل ہے دوستوں کی تعداد کے ساتھ ہماری مشکل بڑھتی جاتی ہے اور دشمن سے اپنے تئیں محفوظ رکھنے میں ہمیشہ دقت ہوتی ہے بگڑے ہوئے دوست سے زیادہ کوئی خطرناک دشمن نہیں وہ ہمارے عیوب اور بھیدوں سے واقف ہوتا ہے اور ہمارا ایسی مضرتیں پہنچا سکتا ہے جو کہ ناواقف دشمن کے اختیار میں نہیں ہو سکتیں +

سب آسان دوستی وہ ہے جس کا ہم نے اپنے مضمون سابق میں دل کر لیا تھا یعنی وہ جو کہ بغیر آپس کی شناسائی کے ہوتی ہے ایسی محبت میں ہمیشہ ہم کو اختیار رہتا ہے کہ کس قدر دوستی رکھیں اور اُس کے بالکل موقوف کرنے میں کچھ اندیشہ نہیں ہوتا کیونکہ اُس حالت میں کوئی اپنا دشمن نہیں بنا کر یہ دوستی اپنے قسم کی دوستیوں میں شمار ہوتی ہے اور چونکہ جس قدر دوستی کی مقدار قلیل ہوتی ہے اُسی قدر اُس سے خط اور فائدے بھی کم حاصل ہوتے ہیں پس صرف اسی دوستی پر قناعت کرنی نہ چاہئے +

البتہ دوسری قسم کی دوستی جس کا اب ہم ذکر کرتے ہیں سب زیادہ کارآمد ہے اور عام برتاؤ میں آتی ہے یعنی وہ محبت و الفت جو کہ بسبب ربط و ارتباط کے پیدا ہوتی ہے اور جس سے صحبت کی خوشی اور صلاح کی درستی مترتبہ سب مقدم شرط اس دوستی کی یہ ہے کہ دونوں شخص اپنے مرتبہ دنیوی کو بالکل بھول جاویں

اگر کو ایک دوسرے سے دولت متزلزلت میں بدرجہا بڑھکر اپنی حالت دوستی میں ایک دوسرے کو برابر سمجھتے ہیں۔ اس شرط کے ثابت قدمی اور صداقت طینت ہے یعنی تلون مزاجی اور بد باطنی دونوں میں نہ ہو ایسے دو شخصوں میں کامل دوستی نہیں ہوتی جن میں سے ایک اپنے تئیں دوسرے سے اعلیٰ سمجھتے یا جو کہ ثابت قدم اور صاف باطن نہ ہو لیکن بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو دوستی میں اپنے رتبہ کو خیال میں رکھیں اور یہی مقدم بحث ہے کہ مختلف درجے کے آدمیوں میں دوستی کا ہونا شافو نا در ہے +

ہم یہ پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ سچے دوست بڑھکر دنیا میں کوئی دولت نہیں دے سچ و خوشی میں کیاں ہماری ہمدردی کرتا ہے مگر ہم کو اُس سخت عیب کا ذکر نہ بھولنا چاہئے جو کہ دوستی کے ایک بڑے خط کو خراب کر دیتا ہے ہماری مراد اُس بیہودہ مشغلے سے ہے جس کو دل لگی یا ہنسی یا مزاج کہتے ہیں ہم ہنسی یا مزاج کے فی نفسہ دشمن نہیں بلکہ ضرور ہے کہ جب دو دوست بالکل گھل مل جاویں تو آپس میں اپنی خوشی کے لئے کچھ ہنسی کی باتیں کریں مگر ہم اُس طرز ہنسی کے برخلاف ہیں جس سے اکثر محبت میں فرق آتا ہے یہ وہ طریقہ مزاج کا ہے جس سے دوست بجائے خوش کرنے کے رنج دیتا ہے یعنی اپنے دوست کی کسی سچ بات سے ہنسی کرنی مثلاً ہمارے دوست میں ایک عیب ظاہری ہے۔ اب ہنسی میں اُس عیب کی طرف کسی قسم کا اشارہ گویا اسکے بڑے ہونے کو جانا ہے اور یہ بالکل نامناسب ہے کیونکہ وہ ہنسی ہنسی نہیں جو کہ سچ ہو بلکہ ایک نوع کی گالی ہے اور اپنے دوست کی ہجو اور امانت کر کے اُس کو رنج دینا ہوتا ہے +

علاوہ اس طرز ہنسی کے آجکل ایک اور طرز دوستی کا یعنی آپس میں گلم گلوچ کا ہونا کمال محبت سمجھی جاتی ہے اس جگہ اُس کی مذمت کرنی ہم ضرور نہیں سمجھتے کیونکہ ایسی بحث زیادہ تر اُس موقع پر چسپاں ہوگی جہاں کہ شریف شخص کی تہذیب کا ذکر ہو +

ایسے بھی لوگ ہیں جو کہ نہایت مختصر عرصہ میں بڑی دوستی کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں اور گودل میں محبت نام کو بھی نہ ہو مگر ہمارے ساتھ ہر قسم کی ہنسی کا اپنے تئیں مجاز سمجھتے ہیں۔ اکثر ایسے ہی لوگ رنج دل میں ڈالنے والی ہنسی کے بہت شوقین ہوتے اور خود بیہودہ خوشی حاصل کرتے ہیں مگر اس سے بھی بدتر ایک اور کمینہ عادت کہ ہنسی کے پردہ میں کسی کو طعنہ دینا یا ایسی بات اشارتاً کہنی جو کہ حقیقت میں اُن کو کہنی منظور تھی مگر اپنی بد باطنی کے سبب صاف نہ کہہ سکتے تھے یہ بات ذرا غور سے سمجھیں آویگی اگرچہ ہر شخص کو اپنی زندگی میں ایسے لوگوں سے پالا پڑتا ہے +

اصل مہنسی وہ ہے جو کہ ایسی بات کی نسبت ہو جو کہ ہمارے دوست کا عیب نہیں یا جسکے ذکر سے اُس کو رنج نہ ہو۔ ایک قسم کی بات گڑھنے سے اگر ہمارے دوست کو کچھ چھینچھلاہٹ آوے تو وہ غصہ ہرگز

موت نہیں ہونا اور نہ اُس سے کچھ ہرج ہو بلکہ تھوڑے عرصہ کے بعد سب کو اُس سے خوشی ہوتی ہے خود اُس دوست کو کہ جس کی ہنسی کی گئی تھی لطف آتا ہے ہم کو یہ بھی بیان کرنا ضرور ہے کہ ہنسی میں کئی جھوٹ بات بیان کرنی جائز نہیں سوائے اُس کے جس کی غلطی صریح ہو۔ ایسا جھوٹ جھوٹ نہیں کیونکہ وہ اپنے جھوٹ ہونے کو خود صاف دکھاتا ہے اور اُس سے کسی قسم کا ہرج نہیں ہوتا ۛ

ایک اور بات پر غور کرنا چاہئے۔ یہ مقولہ سب دوستوں میں مشہور ہے کہ دوست کا مال اپنا ہی ہوتا ہے یہ نہایت اعلیٰ اور عمدہ قول ہے مگر افسوس کی بات ہے کہ اس کا بھی بڑا بُری طرح پر ہوتا ہے اکثر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص اس سبب کوئی اچھی شے نہیں رکھتا کہ اُس کے ملاقاتی اُس کے پاس وہ شے نہیں پہنے دیتے ”دوست اچھی شے نہیں چھوڑتے“ یہ اکثر سننے میں آتا ہے۔ کوئی شے اس سے زیادہ پریف اور اعلیٰ نہیں کہ محبت میں اپنے اور اپنے دوست کے مال کو ایک سمجھے اور اپنی سب چیزوں کو گویا اُس کے لئے سمجھے مگر اس سے زیادہ کوئی حقیر بات نہیں کہ باوجودیکہ ہم کو معلوم ہے کہ ہمارے دوست کو ایک شے نہایت پسند ہے اور اس لئے اُس کو عزیز رکھتا ہے پھر بھی ہم اُس سے اُس شے کی درخواست کریں غور کرنے کی بات ہے کہ اس کا اصول کس قدر غلط ہے اگر ہم اپنے دوست کی ایسی شے کو پسند کریں جس سے اُس کو کسی قسم کی آسائش یا خوشی ہو تو کس قدر محبت کے خلاف ہے کہ اُس سے وہ لیکر دوست کی خوشی یا آسائش میں خلل انداز ہوں اگر وہ شے ہماری دانت میں عرصہ ہے ہم کو چاہئے کہ یہ خواہش کریں کہ ہم سے پہلے ہمارا دوست اچھی شے رکھے اور خوشی اور آسائش حاصل کرے نہ یہ کہ اُس سے وہ لیکر محبت کے برخلاف بات کریں۔ باوجودیکہ ہماری دانت میں اپنا اور دوست کا مال ایک ہے لیکن تاہم اُس سے وہ چیزیں لینی چاہئیں جو کہ ہماری ہی دانت میں عرصہ ہیں مگر اُس کو کچھ چنداں عزیز نہیں یا اُس حالت میں اُن کی درخواست کی جائے جبکہ ہم کو کچھ نہ ہو کہ اُس خاص شے کے لینے سے ہم کو اپنے دوست کی آسائش سے (جو کہ اُس خاص چیز سے اُس کو ہوتی ہے) بدرجہا بڑھکر ہوگی اکثر اس طرح بھی محبت میں فرق آتے دیکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنے دوست سے ایک شے کی درخواست کی اور اُس نے انکار کیا تو ظاہر ہے کہ محبت میں فرق پڑا۔ اپنی دوستی کا ایسی حالت میں منتفی ہے کہ اگر درخواست کو یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں شے دوست کو نہایت عزیز ہے اور اس ناواقفیت کی حالت میں درخواست کئے تو معلوم ہوتے ہی اپنی درخواست کو واپس کرنے اور اُس شے کے نہ لینے پر مصر ہو۔ اس بات کو غور سے سمجھ لینا چاہئے کہ کسی شے کا جو کہ ہمارے دوست کو عزیز ہے مگر اُنسی قدر محبت کے خلاف ہے جس قدر کہ اُس دوست کا اُس شے کو درخواست کے بعد نہ دینا۔ اگر کوئی وجہ خاص ایسی درخواست یا انکار کی ہو

تو سچے دوستوں کو لازم ہے کہ صاف بیان کر دیں اور نہ یہ کہ محبت میں خلل آنے دیں +

کیا اچھا قول ہے کہ ”دوست حقیقی ایک بہت مضبوط پناہ ہے اور جس نے ایسا دوست پایا گویا ایک بڑا خزانہ پایا سچا دوست زندگی کے امراض کی دوا ہے اور جو لوگ دل سے نیک ہیں اپنی نیکی کے صلہ میں ایسا دوست پاویں گے۔“ سب سے خوبصورت اور غور و تامل کے لائق اس مقولہ کا اخیر حصہ ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ اپنی طبیعت کی نیکی اور دل کی صفائی کے بغیر ہم کو سچا اور وفادار دوست نہیں ملتا مع

دل را بدل ہے ست دریں گنبد سپہر

وہ شخص جو کہ خود صاف اور نیک ہے ضرور کبھی نہ کبھی اپنا دوست پاویگا اور گو اپنی صفائی کے سبب اُس کو کبھی بد لوگوں سے مفرت پہنچے مگر بلاشبہ سچے دوست کے ملنے سے محروم نہ رہیگا مگر بد باطن کو کبھی اچھا دوست نصیب نہیں ہوتا اگر اُسی کی سی خاصیت کا شخص ملا تو وہ اس کی نسبت اتنا ہی شبہ کریگا جتنا کہ یہ اُسکی نسبت اور کبھی کھلم کھلا دوستی نہیں ہونیگی۔ اگر بد باطن شخص کسی صاف باطن سے ملے تو اُسکو اُسکی نسبت بھی طبعی کے سبب شبہ رہیگا اس بات کی فہم میں رہیگا کہ اُسکے بھید معلوم کرول بھی دشمنی میں مبتلا ہو کر چھپ چھپ کر باتیں سنیگا اور اگر اتفاقاً کوئی ایسی بات سن پائی جو اُسکی دانست میں اُسکے برخلاف ہوئی تو اُس کو اپنی غیبت تصور کر کے اپنے دل میں اپنے تئیں مبارکباد دیگا کہ کس ہوشیاری سے بھید معلوم کیا گو وہ بات جو کہ اس نے چھپ کر سنی را اور اس طرح پر بات سُننے اور چوری میں کچھ فرق نہیں) ایسی ہو کہ اُس صاف باطن شخص کو اُسکے روبرو کہنے میں بھی کچھ تامل نہ ہوتا ایسے شخص کو کبھی سچے دوست کی سی نعمت نصیب نہیں ہوتی تعجب نہیں کہ غلطی سے عرصہ تک صاف باطن اس بد باطن شخص کو اچھا اور صادق دوست سمجھے مگر نہایت جلد اُسکے حرکات سے اُسکی خاصیت سے کھل جاتی ہے اور صاف آدمی اپنی اس ملاقاتی سے متفر ہو جاتا ہے +

جتنا دوست پڑانا ہوتا جاتا ہے اُتنی ہی قدر بڑھتی جاتی ہے اور گو اکثر ہم کو نئے دوست کی وفا پر انتہا ہی بھروسہ ہو جاتا ہے جتنا کہ پُرانے دوست پر مگر تاہم پُرانے دوست کیساتھ زیادہ تجربہ زندگی کا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے کہ وہ قدیم ہے اُسکی قدر زیادہ ہوتی ہے مگر کھری دوستی بڑے اندیشہ کی شے ہے اور اُس کے برقرار رکھنے کے لئے ہم کو بڑی احتیاط لازم ہے ایک دفعہ دوستی ٹوٹنے کے بعد گو عقلمند اور عالی ہمت شخص اُس شخص کا جو کہ اُس کا دوست تھا فصور معاف کر دیگا مگر پھر دوستی کا ہونا مشکل ہے اور میری دانست میں اُس شخص سے جو کہ ہمارے ساتھ دوستی کا دعویٰ کر کے ہمارے ضرر کی بات دانتہ کرے دوستی چھڑنے کرنی چاہئے گو اُس کا تصور بالکل دل سے معاف کر دے اور صلح کر لے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے

کہ وہ حرکت جس سے ہم نے ناراض ہو کر ملاقات ترک کی تھی حقیقت میں دشمنی کی نہ تھی تو پھر محبت کے جاری کرنے میں کچھ ہرج نہیں اور ایسی بات کو اگر کوئی شخص معاف نہ کرے تو وہ بہت بے رحم اور بے مروت سمجھا جانا چاہئے ۛ

ایک غفلت مند کا مقولہ مشہور ہے کہ ”اپنے دشمنوں سے دور رہ اور دوستوں سے ہوشیار“ گویہ قول ایک دانشمند کا ہے مگر ہم اس کے اخیر حصہ سے متفق نہیں۔ وہ دوستی کیا جس میں کہ دوست پر کچھ بھروسہ نہ کیا جائے اور وہ محبت کیا کہ جس میں اپنے دوست کی وفا پر شبہ رہے۔ شاید یہ قول دنیا کے کاروبار میں نہایت ٹھیک ہو مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے خیالات دوستی کے قطعاً برخلاف ہے۔ اس مقولہ سے گویا یہ سمجھا نا ہے کہ دوست کو بھیدوں سے مطلع نہ کرے مگر ایسی حالت میں سب بڑا فائدہ دوستی کا جانا رہتا ہے۔ وہ شخص نہایت نادان بلکہ خائن ہے جو کہ اپنے دوست کے بھیدوں سے ”سروں کو مطلع کرتا پھرے“ ہکو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں اپنا راز دار بنائیں مگر یہ بیشک امانت کے برخلاف ہے کہ اپنے دوست کے بھیدوں کو غیروں پر کھول دیں الغرض اپنے دوست کی بڑی خاطر داری لازم ہے اور کوئی بات اس کو رنج دینے والی نہ کرنی چاہئے۔ ع

دل ہی تو ہنسنے لگا و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

بڑے دوست کی ذرا سی محبت کے برخلاف بات بڑا رنج ہوتا ہے اور ایک دفعہ ایسی دل شکنی کے بعد دوستی کا جاری ہونا دشوار ہے۔ کیونکہ۔ ع

دل را شکستہ نہ کہ گو ہر شکستہ

ہم نے اپنے مضمون سابق میں جس کا یہ مضمون گویا تتمہ ہے) اُن فوائد کا ذکر کیا تھا جو کہ ہمارے دوست سے ہم کو ہوتے ہیں یہ سب فائزے اکثر دوست کے اپنے بغیر کچھ تکلیف اٹھائے یا کچھ دولت خرچ کئے نہیں ہوتے اور اس لئے اُن کے سبب ہم پر اس کا بڑا احسان ہوتا ہے ایسے احسان کے معاملہ میں صرف اُس سے محبت زیادہ کرنی چاہئے اور مقولہ مشہور ”حساب دوستان در دل نہایت غلطی پر مبنی ہے“ اگر اس مقولہ کے معنی یہ سمجھے جاویں کہ جب کوئی دوست ہمارے لئے اپنی کچھ دولت صرف کرے یا کسی اور طرح ہم کو ممنون کرے تو اُس کے احسان کو ہم اپنے دل میں سکھیں اور موقع پر اُس کو اتار دیں ہم اس بات کے بیان کرنے سے باز نہ رہیں گے کہ یہ معنی اس مقولہ کے ہماری رائے میں محض غلط ہیں جس وقت کہ ہم اس اصول کو قبول کر لیں تو ظاہر ہے کہ اپنے دوست کا احسان لینا گویا قرض لینا ہے اور ضرور ہے کہ ایسے احسان کا بوجھ اس قدر ناگوار ہوتا ہے کہ برداشت نہیں ہو سکتی قرض کو تو بوقت مفقودا تار بھی سکتے ہیں مگر ایسا احسان سے تو

جان چھٹائی مشکل ہوتی ہے اس لئے بے اس کے کہ ضرورت کے وقت اپنے دوست کی سعی و کوشش کو کام میں لاویں ایک خواہش اس کے برخلاف پیدا ہو جاتی ہے فی الحقیقت دوستی مثل بازار میں سودا خریدنے کے ہو جاتی ہے احسان لیا اور اُتار دیا جیسے سودا لیا اور دام ادا کئے۔ دوست کی دوستی سے کیا فائدہ اگر اُس کے احسان کو ہم اپنے پر بار یا فرض سمجھیں ہاں یہ محبت کا مقصد ہی ہے کہ جہاں تک ہم سے ہو سکے اپنے دوست کی بیہودگی کے لئے کوشش کریں مگر اس سعی کو اس نیت سے کرنا کہ اُس کا احسان ہم پر سے ٹل جاوے بدباطنی میں داخل ہے۔ احسان ہم پر سے کبھی ٹل نہیں سکتا کیونکہ احسان کنندہ کو احسان کرتے وقت کچھ معاوضہ ملنے کی توقع نہیں ہوتی وہ صرف ازراہ محبت ایک کام ہمارے فائدہ کا کرتا ہے اس سے ہم اُس کے ممنون ہوتے ہیں ایسا احسان صرف اس سبب سے کہ اول کیا گیا ہے بعد کے ہزار احسانوں سے بھی نہیں اُترتا بعض لوگ اس نیت سے احسان کسی پر کرتے ہیں کہ وہ شخص ہمیشہ اُن کا ممنون رہے ایسی حالت میں گو اُس شخص کو ہمیشہ احسان مند رہنا زیبا ہے مگر اُس احسان کی خود قدر گھٹ جاتی ہے ایسے ہی احسان کرنے والے بعد کو احسان جتنا یا کرتے ہیں اور واقع میں احسان کر کے بھول جانا یا سو گئے محبت کے اور کسی قسم کی عوض کی اُمید نہ رکھنا بہت عالی ہمت اور شریف لوگوں کا کام ہے +

گو اوپر کے فقروں میں دوست کے احسان اُتار نیکی خواہش کو ہم بُرا کہہ آئے ہیں مگر ہم اُس بدباطنی کی بھی مذمت کرتے ہیں جو کہ خواہش مذکورہ بالا کی ضد ہے یعنی اس بات کی خواہش رکھنا کہ جس دوست پر ہم احسان کر چکے ہیں اُس کا احسان نہ لینا چاہئے تاکہ ہمارا احسان اُس پر سے اُتر نہ جائے جس شخص میں ایسی خواہش ہوتی ہے وہ کبھی سچا دوست نہیں ہوتا اور اُس کا احسان نہایت ناگوار گزارنا ہے کیا اُس نے ہم کو بے بس یا بے مقدور سمجھ کر احسان کیا تھا یا یہ کہ ہم کو فقیر و ذلیل اور اپنے تئیں امیر و کبیر اور ہم سے مرتبہ میں اعلیٰ سمجھتا ہے کہ ہم جو اُس کی خدمت و محبت سے کرنی چاہتے ہیں اُس کے قبول کرنے میں اُس کو عار ہے ہاں اگر دوست کو تکلیف دینے میں ہم کو تامل ہو تو یہ عین محبت ہے مگر اس غرض سے اُس سے کسی بات کی درخواست نہ کرنی یا اُس کی دولت کے نہایت قلیل حصہ کو بھی اپنے لئے صرف نہ ہونے دیا کہ ہم اُس کا احسان ہونے پاوے یا یہ کہ ہمارا احسان اُس پر سے اُتر جائے بدباطنی اور نفاق میں داخل ہے +

ایک اذبات کا ہم مختصر ذکر کرتے ہیں۔ زندگی کے تجربہ سے اکثر معلوم ہوا ہے کہ جب کبھی دوستوں میں لین دین شروع ہوا دوستی میں غالباً خلل واقع ہوتا ہے اس لئے ہماری انست میں دوست کو ہمیشہ قرض حسنہ دے کہ اگر بالفرض وہ ادا نہ کر سکے تو محبت شکنی نہ ہو یہ ہتر ہے کہ اگر دوست قرض مانگے تو صاف بیان کر دے کہ مقدار خاص سے زیادہ وہ دے نہیں سکتا اور اگر ایسے انکار سے کوئی دوست ناراض

ہو تو اُس کا قصور ہے +

ہم نے ایک نئے شخص کے منہ سے یہ قول سنا ہے کہ ”دوست ایمان ما“ مگر اسکے معنی ہرگز یہ نہیں کہ اُسکے احسان لینے سے یا وقت ضرورت مرد کی درخواست کرنے سے عار رکھے بلکہ یہ معنی ہیں کہ بلا ضرورت مرث اپنے دوست کی وفا آزمائی کے واسطے اُس سے کوئی درخواست نہ کرنی چاہئے کیونکہ آزمانا صرف شبہ کی حالت میں ہوتا ہے اور وہ دوست صادق نہیں جو اپنے دوست کی وفا پر شبہ کرے زمانہ خود ہر شخص کی خاصیت کو کھول دیتا ہے پھر ہم کیوں اپنے دوست کی نسبت بدگمانی کریں جب تک ممکن ہو اُس کو اپنا دوست سمجھیں اور اگر اخیر گو وہ بد باطن نکلے تو صرف خاموش اور علیحدہ ہو جاویں مگر اول ہی آدمی کے پہچاننے میں ہم کو احتیاط چاہئے تاکہ آخر کو ندامت نہ ہو سح

چرا کا سے کسند عاقل کہ باز آید پشیمانی

یونیورسٹی کیمبرج

کیمبرج ایک قدیم چھوٹا سا قصبہ قریب ساٹھ میل کے لندن سے واقع ہے۔ چھ سو برس سے یہ گزے کہ ایک امیر پادری نے ایک مدرسہ قائم کیا اور اپنی جائداد اُس کو دیدی جس کی آمدنی سے خرچ چلتا تھا اور اُس آمدنی سے معلموں کی تنخواہ اور غریب طلباء کو وظیفے ملتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس مدرسہ کی جائداد کی قیمت بڑھتی گئی اور امیر لوگ بھی اپنی اولاد کو تعلیم کے لئے بھیجنے لگے۔ پھر اور مدرسے بھی قائم ہوئے اور اب ماں سولہ کالج ہیں جن سے قریب تین ہزار آدمی کے تعلق رکھتے ہیں اُس کی بنیاد اس طرح پر پڑی ہے کہ کسی شخص نے اپنی جائداد ایک مدرسہ کی بنائ کے لئے دی۔ اُس کی آمدنی سے ایک مکان بنا جس میں کہ طالب علموں اور معلموں وغیرہ کے رہنے کی جگہ ہوا اور پھر اُس آمدنی میں سے اُس مدرسہ کا خرچ چلتا ہے اُس ہی آمدنی میں سے سالانہ انعام اور طلباء کے وظیفے دیئے جاتے ہیں ہر مدرسہ کے انتظام کی صورت یہ ہے کہ ایک عمدہ دار جس کو کالج کا ماسٹر کہتے ہیں تنخواہ پاتا ہے اس عمدہ دار کا کام پڑھانا نہیں ہے بلکہ مدرسہ کے انتظام کا اور اُس کی جائداد وغیرہ کی آمدنی کا نگران حال ہوتا ہے اس عمدہ دار کو قریب ہزار روپیہ ہمارے کے اور ایک عمدہ مکان جو کہ کالج سے متعلق ہوتا ہے بلاکرایہ رہنے کو ملتا ہے۔ شخص سب بڑا عمدہ دار ہے اور اپنے مرنے تک اُس عمدہ پر مامور رہتا ہے +

پھر کالج کے فیلو ہوتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو کہ امتحان میں نہایت عمدہ رہتے ہیں اور ہر شخص قریب تین ہزار روپیہ سال کے وظیفہ پاتا ہے۔ اُن لوگوں کو رہنے کے لئے کالج میں مکان ملتے ہیں اور اگر چاہیں تو

پڑھاویں ورنہ بلا کسی خاص کام کے اُن کو سالانہ تنخواہ ملے جاتی ہے مگر جب شادی کرتے ہیں تو بندہ جاتی ہے اور وہ فیلو نہیں رہتے۔ یہ لوگ ہمیشہ نہایت عالم ہوتے ہیں اور اُن کو بلا کسی خاص کام کے تنخواہ دینے سے یہ غرض ہے کہ وہ علم کی ترقی کریں اور عمدہ کتابیں عام فائدہ کے لئے لکھیں۔ مگر اصل سبب یہ ہے کہ اُن کو تنخواہ اس لئے دی جاتی ہے کہ بہت جوان شخص فیلو ہونے کے لئے کوشش کریں اور علم تحصیل کریں مثلاً جو تنخواہ کہ فلو شپ حاصل کرنے کے لئے ہے وہ نہایت مشکل ہے بلکہ شاید دنیا میں اُس سے زیادہ مشکل امتحان علوم میں نہیں ہے ہر سال کے شروع میں مدرسوں میں طالب علم داخل ہوتے ہیں اور تین برس کے بعد ڈگری حاصل کرتے ہیں۔ ڈگری کے امتحان میں جو طالب علم کم عمر رہیں اُن کو فیلو بنایا جاتا ہے مگر ابھی تک فیلو شپ (یعنی عمدہ فیلو) صرف اُن لوگوں کو دیا جاتا ہے جو کہ زبان لیٹن اور گریک میں یا علوم ہندسہ اور ریاضی میں عمدہ امتحان دیں۔ اس بات کی بحث ہے کہ اُن علوم میں اچھا امتحان دینے والوں کو بھی ملے اور یقین ہے کہ چند سال میں اُن علوم کی تحصیل کرنی والوں کو بھی فیلو بنایا جاوے گا۔

ہر کالج میں مختلف تعداد فیلو کی ہے۔ مگر اوسطاً قریب پندرہ فیلو فی مدرسہ میں ہیں۔ ان سب کا کام ملکہ بند و بست کالج کا کرنا ہے۔ ان کی ایک کونسل ہوتی ہے جس کا پریسیڈنٹ کالج کا ماسٹر ہوتا ہے اور ہر امر کا نصفیہ کثرت لئے پر منحصر رہتا ہے۔

فیلو مدرسہ کی مختلف جماعتوں کو پڑھاتے ہیں مگر اس کی تنخواہ اُن کو الگ ملتی ہے۔ جو فیلو کہ طالب علموں کو درس دیتے ہیں وہ اکثر سب سے زیادہ عالم ہوتے ہیں اور اُن کو ٹیوٹر یعنی اُستاد کہتے ہیں۔ جب کہ کالج کا ماسٹر ہوتا ہے تو ان فیلوؤں میں سے ایک شخص اُس کی رائے سے چنا جاتا ہے اور وہ ماسٹر بنادیا جاتا ہے اور اپنے مرتے دم تک اُس عمدہ پر رہتا ہے غرض کہ ہر امر متعلق مدرسہ فیلوؤں کی رائے سے قرار پاتا ہے۔

جب کوئی فیلو شادی کرتا ہے تو اُس کو اپنی فیلو شپ چھوڑنی پڑتی ہے اور اُسکی جگہ پھر اور کوئی شخص جس نے کہ نہایت اعلیٰ امتحان دیا ہو فیلوؤں کی رائے سے مقرر ہو جاتا ہے۔ ہر سال قریب ایک یا دو فیلو سبکے خالی ہوتے ہیں اور اُن کی جگہ جو طالب علم کہ اُس سال میں عمدہ امتحان دیتے ہیں مقرر ہو جاتے ہیں۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص علم دوست ہو یا تین ہزار روپیہ کالج کو اس غرض سے دیتا ہے کہ اُس کی سالانہ آمدنی سے اُس طالب علم کو جو کہ منعمون خاص میں سب سے عمدہ امتحان دے انعام ملے۔ اکثر یہ انعام کتابوں کا ہوتا ہے ایسے انعام کا نام اکثر اُسکے مقرر کرنیوالے کے نام پر رکھا جاتا ہے۔

ہر کالج کے ساتھ ایک کتب خانہ متعلق ہے جس میں سے طالب علم کتابیں مستعار لاسکتے ہیں اس کتب خانہ

کا ایک اور وغہ ہوتا ہے جو کالج سے تنخواہ پاتا ہے +

ہر کالج میں ایک ہال یعنی بڑا کمرہ ہوتا ہے جس میں کہ شام کا کھانا سب طالب علم اور فیاو ساتھ کھاتے ہیں ساسی کمرہ میں سالانہ امتحان وغیرہ ہوتے ہیں +

ایک اور کمرہ واسطے کونسل فیلوں کے ہوتا ہے اور مینہ میں ایک یا دو دفعہ سب فیلو جمع ہو کر امور مدرسہ کی بحث کرتے ہیں +

ہر مدرسہ سے ایک چھوٹا سا گرجہ متعلق ہوتا ہے جس میں سب طالب علم جو کہ عیسائی مذہب رکھتے ہیں صبح اور شام عبادت کرتے ہیں۔ فیاو میں سے ایک شخص جو کہ پادری ہو عبادت کرتا ہے اور گرجہ کا انتظام رکھتا ہے +

کالج کا ایک پھاٹک ہوتا ہے اور ایک دربان مقرر ہوتا ہے جو کہ وقت معمولی پر شام کو دروازہ بند کر دیتا ہے۔ اکثر قریب نو بجے شام کے پھاٹک بند ہو جاتا ہے بعد اس کے کالج میں کوئی شخص نہیں آ سکتا +

طالب علم کے پاس دو کمرے ہوتے ہیں۔ ان کمروں کا مختلف کر لیا ہے اور طالب علم موافق اپنی حیثیت کے کمرے لیتے ہیں۔ ان کمروں میں سے ایک میں ٹینگ اور منہ دھوئی میز اور کپڑوں کی الماری وغیرہ ہوتی ہے اور دوسرے میں میز اور کتابوں کی الماری اور کرسیاں اور اکثر ایک کوچ ہوتی ہے یہ کمرہ پڑھنے لکھنے اور دوستوں سے ملنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس کمرے کے دروازہ کے دو کواڑ ہوتے ہیں ایک باہر کی طرف اور ایک اندر کی طرف۔ جب طالب علم اپنے کمرہ میں نہیں جاتا تو باہر کے کواڑ کو بند کر جاتا ہے یا یہ کہ اگر اس کو یہ منظور ہے کہ کوئی شخص اس کے پڑھنے میں مہرچ نہ ڈالے تب بھی وہ باہر کا کواڑ بند کر کے اندر تحصیل کرتا ہے۔ یونیورسٹی کا یہ دستور ہے کہ اگر باہر کا کواڑ بند ہو تو کھٹکھٹاتے نہیں کیونکہ اگر طالب علم کچھ یاد کر رہا ہو تو اس کی تحصیل میں خلل نہ ہو صبح کا کھانا اور دوپہر کی چائے وغیرہ طالب علم اپنے کمرہ میں کھاتے پیتے ہیں لیکن شام کا کھانا ہال میں کھانا ضرور ہے یہ طریقہ بود و باش کا ہے۔ اب میں مختصر طرز پر طریقہ تعلیم بیان کرتا ہوں +

جب کوئی طالب علم کالج میں داخل ہوتا ہے تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ کس عام کو تحصیل کرنا چاہتا ہے۔ اکثر طالب علم جو کہ زبان لیٹن و گریک یا علوم ہندسہ ریاضی یا اور کوئی علم پڑھنا چاہتے ہیں تو وہ مدرسہ میں داخل ہونے سے پہلے بھی کچھ پڑھ چکے ہوتے ہیں کیونکہ زبان لیٹن و گریک اس ملک میں اسی طرح پڑھ چکے ہیں پڑھائی جاتی ہے جیسے کہ ہمارے ہاں فارسی اور عربی پڑھائی جاتی ہے۔ غرض کہ ہر طالب علم یہ بات یاد دہنور ہے کہ جب کوئی شخص کمرہ میں آنا چاہتا ہے تو پہلے اٹھ سے کواڑ پر کھٹکھٹ کرتا ہے +

بیان کرتا ہے کہ میں فلاں علم تحصیل کرنا چاہتا ہوں۔ اُس کو پھر اپنی پسند کے موافق کمرے مہلاتے ہیں اور اُن میں وہ خود اسباب خرید کر رکھ لیتا ہے۔ کالج میں ہر صبح کو اقل اس کو گر جانا ہوتا ہے۔ پھر بعد صبح کے کھانے کے کالج میں تعلیم کے مختلف کمروں میں درس ہوتا ہے۔ دو سبق روز ہوتے ہیں اور اُن کے یاد کرنے میں دن اور شام صرف ہوتی ہے +

لیکن اول ہر طالب علم کو خواہ کوئی علم وہ اختیار کرے ایک امتحان دیتا ہے جس میں کہ اُس کو اول کا تیار ہونا شرط ہے۔ اس امتحان کے مضامین کچھ بہت مشکل نہیں ہیں مگر ایسے عام ہیں کہ ہر تعلیم یافتہ شخص کو اُن سے واقفیت ہونی چاہئے۔ مضامین یہ ہیں :-

۱۔ زبان لیٹن جس میں ایک کتاب جو کہ مقرر کر دی جاتی ہے +

۲۔ زبان گریک اس میں بھی ایک کتاب پہلے سے مقرر کی جاتی ہے +

۳۔ قواعد زبان لیٹن و گریک +

۴۔ اناجیل اربع میں سے ایک انجیل اپنی اصلی زبان گریک میں +

۵۔ ایک کتاب جس میں کہ عیسائی مذہب کے دلائل بیان ہیں +

۶۔ حساب جبر و مقایدہ تحریر یا قیودس وغیرہ مضامین مذکورہ بالا کچھ چنداں مشکل نہیں ہیں اور ان میں امتحان

بآسانی ہو جاتا ہے مگر بعد اس امتحان کے مضامین مذکورہ بالا ذیل میں سے طالب علم ایک علم تحصیل کرتا ہے +

مضمون اول

علوم میتھے شیکس جس میں داخل ہیں قریب ۳۴ مختلف شاخیں علوم کی مثلاً علم ہیئت گردش سیاروں

کی۔ علم ادب ہوا۔ علم متعلق بہ گردش زمین وغیرہ +

مضمون دوم

زبان لیٹن و گریک مع تاریخ یونان و روم کبیر اور حالات مختلف مضمونوں کے جو کہ اگلے زمانہ میں عمدہ

عمدہ کتابیں لکھ گئے ہیں مثلاً سقراط اور ارسطو وغیرہ +

مضمون سوم

علم مارل سائنسز جس میں شامل ہیں فلسفہ (معہ اصول حکومت) اور منطق اور پولیٹیکل اکانومی

۱۔ ہر کالج کے متعلق ایک اسباب والے کی دکان ہوتی ہے جہاں سے کہ اسباب خرید کیا جاتا ہے طالب علم کو درسہ

چھوٹے وقت دو تہائی قیمت اُس کے اسباب کی ملتی ہے اور وہ اسباب بڑی دکاندار خرید لیتا ہے +

۲۔ جو لوگ کہ عیسائی نہیں ہیں مثلاً یہودی یا مسلمان اُن کو گر جانیس پڑتا +

یعنی علم انتظام بدن وغیرہ +

مضمون چہارم

پنجورل سائنسز یعنی علوم قدرت جس میں داخل ہیں +

علم کیمسٹری یعنی کیمیا +

ایضاً منرالوجی یعنی علم معدنیات +

ایضاً جیالوجی یعنی علم جمادات +

ایضاً بائیٹی یعنی علم نباتات +

ایضاً زوالوجی یعنی علم حیوانات (معد اندرونی تشریح اُن کے جسموں کی) +

مگر مذکورہ بالا میں سے اکثر صرف دو باتیں ایک شخص اختیار کرتا ہے +

مضمون پنجم

علم الہیات یعنی علم متعلق بہ مذہب عیسائی اس امتحان کو وہ لوگ دیتے ہیں جو کہ پادری ہونا چاہتے ہیں اس میں زبان عبری اور یونانی کی شرط ہے تاکہ توریت و انجیل کو اصلی زبانوں میں پڑھ سکے سوائے عیسائیوں کے اور کوئی اس امتحان کو نہیں دے سکتا +

مضمون ششم

اصول قوانین اور تواریخ۔ اس مضمون میں داخل ہیں پڑانے قوانین جو کہ ردم کبیر میں جاری تھے اور جہاں قوانین اقوام یورپ بنی ہیں اور وہ قانون جس سے مختلف قوموں کے تنازع فیصل ہوتے ہیں و انٹرنیشنل لاء کہلایا جاتا ہے۔ اس مضمون میں تاریخ قانون بھی داخل ہے +

مضمون ہفتم

علوم طب تشریح وغیرہ۔ اسکی مختلف شاخیں اور مضامین ہیں مگر اُن کا بیان کرنا ضرور نہیں + مذکورہ بالا سات مضامین سے طالب علم ایک پر اپنی پوری توجہ دیتا ہے اور کالج میں داخل ہونے کے قریب تین سال کے بعد مکان سینٹ ہوس میں یعنی اُس عالی شان مکان میں جہاں یونیورسٹی کے امتحان ہوتے ہیں اور جس میں کہ ڈگری عطا کرنیکی رسم پوری کی جاتی ہے (امتحان دیتا ہے اور بحالت کامیابی ڈگری عطا ہوتی ہے اور ایک گون یعنی چھا اور ایک ٹوپی بطور سند عطا ہوتی ہے جنکے پہننے کا وہ مستحق ہوتا ہے اور بڑے جلسوں میں اُس کو پہنتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں یونیورسٹی کی ڈگری حاصل کی ہے بعد حصول ڈگری وہ شخص اپنی عمر بھر کیلئے یونیورسٹی کا ممبر بن جاتا ہے اور اُس کو سب حقوق حاصل رہتے ہیں

اب مختصر حال بیان کرتا ہوں اُن مختلف باتوں کا جو طالب علموں نے خود قایم کی ہیں۔ اس غرض کے جسوں میں سپیچ یعنی گفتگو کرنا آئے ایک سوسیٹی قایم کی ہے جس میں مختلف مضامین پر بحث ہوتی ہے۔ یہ سوسیٹی بالکل پارلیمنٹ کے نمونہ پر ہے اور ہر ممبر کو استحقاق گفتگو کا ہے۔ اکثر وہ لوگ جو پارلیمنٹ کے ممبر ہونے کی تئیں رکھتے ہیں یا ہیرٹھ ہونے کو ہوتے ہیں اس سوسیٹی میں گفتگو کی مشق کرتے ہیں مسٹر گلیڈ اسٹون نے ہر اعظم حال ایک ایسی ہی سوسیٹی میں جو کہ اکنفورڈ یونیورسٹی میں ہے اپنے زمانہ طالب علمی میں گفتگو کی مشق کیا کرتے تھے اور لارڈ مکالی ہاؤس ہاں کی یونین سوسیٹی کے زمانہ طالب علمی میں ایک نامی ممبر تھے اور پریسیڈنٹ مقرر ہوئے تھے۔ یہ عہدہ نمبریں کے دوٹوں سے ہوتا ہے مگر اکثر سب سے بڑے بولنے والے کو ملتا ہے +

اسی طرح چرچانی مشق کے لئے کلب ہیں اور طالب علم اکثر اپنی فرصت کے گھنٹوں میں دریائے کیم پر جس پر کیمبرج واقع ہے کشتی کھیلتے ہیں +

مذکورہ بالا مختصر حال طرز تعلیم یونیورسٹی کیمبرج کا ہوا۔ اب میں چند سطریں اپنی رائے کے بیان کرنے میں لکھتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمان کیونکر اپنی تعلیم کر سکتے ہیں +

تجویز

اس بات کے ثابت ہونے میں اب کچھ شک نہیں رہا کہ جو علوم کہ زبان یونانی سے اگلے زمانہ میں عربی میں ترجمہ کئے گئے تھے اُن میں سے اب بہت سے تو غلط ثابت ہو گئے ہیں اور باقی کی اب اقوام یورپ نے اس قدر ترقی کر لی ہے اور تکمیل کو پہنچا یا ہے کہ پرانے علوم بڑھی عورت کی سی باتیں معلوم ہوتے ہیں اس بات کو خیال کرنا چاہئے کہ ہمارے علم کی کتابوں میں صرف وہ باتیں ہیں جو کہ حکما یونان نے اپنے خیال و قیاس سے نکالی تھیں۔ ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ عربی حکما اور فلاسفہ نے اُن کی بہت ترقی کی مگر وہ بھی قریب ہزار برس سے بند ہو گئی اور جو کتابیں کہ اب عربی درس میں ہیں وہ سب نہایت پرانی تحقیقات پر مبنی ہیں۔ مثلاً علم جغرافیہ ہمارے ہاں نہایت غیر مکمل حالت میں ہے اور عربی کتابوں میں اُسی حالت میں ہے جو کہ تین ہزار برس ہوئے یونان میں تھا جب کہ امیر کا کچھ حال معلوم نہ تھا اور آسٹریلیا کا کچھ گمان بھی نہ تھا۔ یورپ کی ترقی اور تیریت سے تمام دنیا پر سفر کئے گئے اور جزائر وغیرہ دریافت کئے گئے جس قدر کہ متقدمین کو زمین معلوم تھی اُس سے اب قریب چوگنی کے معلوم ہے مگر غیاث اللغات میں زمین کے نقشہ کو انگریزی نقشہ سے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم جغرافیہ میں کس قدر ترقی ہوئی ہے۔ غرض کہ سب علوم جو کہ ہمارے ہاں موجود ہیں وہ نہایت پرانی حالت تک آلودہ ہیں اُس سے نئے یادہ قیمتی کی بات یہ ہے کہ اُن علوم کو

۱۔ میں علوم دین کی نسبت کچھ بحث نہیں کرتا اور نہ اُن کو شامل کرتا ہوں +

بھی اب مسلمانوں نے تحصیل کرنا چھوڑ دیا اور دن بدن علوم دین پر بھی وال ہے یہ تو مسلمانوں کے علم کا حال ہے اُن کی معاش کا حال اور بھی بدتر ہے اور دن بدن بدتر ہوتا جاتا ہے ایک نہایت بڑا حصہ مسلمان شرفار کا وہ ہے جو کہ اپنی جائداد کی آمنی پر گزر کرتے ہیں بلکہ شاید سب سے دولت مند مسلمان صاحبِ جائداد ہیں اس بات کو خیال کرنا چاہئے کہ ان میں سے کوئی بھی اپنی اولاد کی تعلیم قرار واقعی نہیں کرتا یہ بیشک اصل حال ہے۔ اب اس بات پر خیال کرنا چاہئے کہ موافق شرع شریعت مسلمان کی جائداد بعد انتقال کے اولاد میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ تو اس سے نتیجہ صاف ہے کہ امیر سے امیر مسلمان کی اولاد دیانت پرست میں غریب ہو جاوے گی اور ملکی لوگوں کی کابی مشہور ہے۔ میں ایسی حالت تنزل سے یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ پچاس برس کے عرصہ میں مسلمان نہایت بے تربیت یافتہ اور ذلیل و خوار اور مفلس ہو جاوینگے اور خدا نخواستہ یہ بات بھی ممکن ہے کہ غصوئے اور زمانہ میں اُن کا ہندوستان میں وہ حال ہو جاوے گا جو کہ ذلیل ترین اقوام ہندوستان کا ہے میں اپنی اس رائے کو اس بات سے سہارا دیتا ہوں کہ محمد تغلق کی اولاد اب دہلی کے قریب پڑنے قلندریں (جس کا نام تغلق آباد ہے) بستی ہے اور اُن میں سے کسی کو چڑھنا لکھنا نہیں آتا اور وہ گھاس کھود کر اپنی کوئی کماتے ہیں اور یہ بھی کہ شاہزادگان خاندان تیموریہ اب نہایت ذلیل طرز پر دہلی میں دی گئے کماتے ہیں اور کسی کو کسی قسم کا علم نہیں +

جب کہ ہم اس بات کو خیال میں رکھیں کہ کوئی مسلمان خاندان موجودہ کسی قسم کی ترقی نہیں کرتا اور یہ بھی کوئی نیا خاندان جاگیر یا جائداد نہیں پاتا جیسا کہ مغلیہ بادشاہوں کے وقت میں ہوتا تھا اور یہ کہ مسلمان اُن بن گورنمنٹ کے معزز عہدوں پر سے کم ہوتے جاتے ہیں تو میری رنج آمیز رائے ہرگز نادرست نہیں معلوم ہوگی + اس بات کے مانے جانے کے بعد سوال یہ ہے کہ کیا علاج؟ اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ ”تعلیم“ مگر اس کے ساتھ ہی ہم یہ کہتے ہیں کہ جو طرز تعلیم کہ گورنمنٹ نے اختیار کیا ہے وہ ہرگز ہماری حاجات اور ضروریات کے موافق نہیں۔ گورنمنٹ کا بچوں میں تعلیم صرف انگریزی اچھی ہوتی ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ عربی و فارسی کی نہایت خراب تعلیم ہوتی ہے مسلمان نوجوان گورنمنٹ کا بچوں میں اپنے مذہب کی تعلیم نہیں پاسکتے اور سب بڑی بات یہ ہے کہ سب علوم انگریزی میں ٹھکائے جاتے ہیں جس سے اُن علوم کی مشکلات و چند ہوجاتی ہیں یہ سچ ہے کہ بہت سے ایسے علوم ہیں کہ جن کی کتابیں ہماری زبان اردو میں موجود نہیں مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چاہو تو نہایت کم عرصہ میں بہت سی کتابیں ترجمہ ہو سکتی ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ بات کہ گورنمنٹ اپنے مدارس میں اپنی تعلیم نہیں دیتی ہرگز گورنمنٹ پر اعتراض نہیں ہے بلکہ ہر تربیت یافتہ اور دانگورنمنٹ کو ضرور ہے کہ مذہب کے لگاؤ سے بچے مگر یہ بات کہ زبان اردو میں علم کیوں نہیں پڑھاتے بلاشبہ بڑا اعتراض

مضامین مولوی خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی

انبیاء

نبی کی ضرورت پر ایک وجدانی شہادت

جو باتیں انسان کو مذہب کے تعلیم کی ہیں اور جن کو وہ الہامی جانتا ہے وہ عموماً یا تو خدا تعالیٰ کی ذات و صفات سے علاقہ رکھتی ہیں یا اُس جزا و سراسر سے جس کا وقت موت کے بعد مقرر کیا گیا ہے اور اس لئے ہم تمام مذہبی تعلیمات کو علم مبدا و معاد کہتے ہیں پس نبی کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے ہم کو دو باتوں کا ثبوت مینا کافی ہے۔ ایک یہ کہ مبدا و معاد نفس الامری میں ایسی دو حقیقتیں ہیں جن کا علم حاصل کرنا انسان پر واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ مبدا و معاد کا علم نبی کے سوا کسی اور ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا +

جس طرح مثلاً عمل کیمیا کے ذریعہ سے ہم اس بات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ پانی بسیط نہیں ہے بلکہ دو مختلف گاسوں یعنی اکیسجن اور ہائیڈروجن سے مرکب ہے اس طرح ہم یہ ہرگز نہیں دیکھ سکتے کہ یہ مبدا ہے اور یہ معاد لیکن ہم ان دونوں چیزوں کے وجود پر انسان کی اصل فطرت کو گواہ کر سکتے ہیں اور اُس کی گواہی ہمارے نزدیک مشاہدہ سے بھی زیادہ یقینی ہے +

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان کا حال جو تفحص کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو ادا نئے تال کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اُس کو اکثر چیزوں کا علم اکتساب سے حاصل ہوتا ہے اور اُس کو کسی علم کہتے ہیں اسی طرح بعضی باتوں کا علم اُس کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے جس کو فطرتی یا وہبی یا قدرتی علم کہہ سکتے ہیں مثلاً ضرورت کے وقت کھانا پینا +

دھوپ اور مینہ میں سایہ ڈھونڈنا جاڑے میں گرم ہونکی تدبیریں کرنی یہ باتیں اُس کو قدرت کے سوا کسی نے نہیں سکھائیں کیونکہ ہم ہی باتیں اُس کے اپنائے جنس یعنی اُور حیوانات میں بھی مشاہدہ کرتے ہیں جن کا معلم ادا استاد قطعاً قدرت کے سوا اور کسی کو نہیں ٹھہرا سکتے اور جب ہم گھونسلہ بنانے میں بچے

کی کارگیری اور شہد چل کرنے میں کبھی کی حکمت اور جالا پورنے میں کڑی کا ہنر دیکھتے ہیں اور اکتساب کی راہیں چاروں طرف سے مسدود پاتے ہیں تو ہمواس بات میں بالکل شک نہیں ہوتا کہ قدرتی علم صرف میل طبعی ہی کا نام نہیں ہے بلکہ بعض ایسے ذائق اور مصالح بھی اس میں اہل ہیں جو بادی النظر میں قوت مفکرہ کے نتائج معلوم ہوتے ہیں *

پھر جب ذرا اور تامل کیا جاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی قدرتی علم کے لحاظ سے انسان اور اُن کے بنائے جنس میں طرح کا امتیاز رکھا گیا ہے ایک یہ کہ آدیوانات کا قدرتی علم ہمیشہ ایک خاص حد پر محدود رہتا ہے کبھی اُس سے تجاوز نہیں کرتا مثلاً جو گھونسلہ اباہیل نے نوح علیہ السلام کی کشتی میں بنایا ہوگا اُس میں اور اُس زمانہ کے گھونسلوں میں ہرگز کچھ تفاوت نہ ہوگا۔ بخلاف انسان کے کہ اُس کا قدرتی علم ہمیشہ ایک ہی حالت پر نہیں رہتا مثلاً اگر پانچ چار ہزار برس پہلے کی بعض انسانی عمارتیں اُس زمانہ کی عمارتوں سے ملانی جائیں تو شاید اس بات کا یقین بہت مشکل سے آئے کہ دونوں کام ایک ہی نوع کے افراد نے بنائے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اور حیوانات کو صرف وہ باتیں سکھائی گئی ہیں جو اُن کے مصلح جزئیہ اور اغراض محسوسہ کے لئے مفید ہوں اور بری بھی طرح اُن کی حاجت رفع کر دیں جیسے بھوک کے وقت دانہ یا گھاس یا گوشت وغیرہ کھالینا یا اس کی وقت پانی پینا شہق کی حالت میں اپنی مادہ کیساتھ نزدیک کرنی دھوپ اور مینہ یا سردی کے بچاؤ کے لئے گھونسلہ یا بل یا بھٹ وغیرہ بنانا اپنے بچوں کی ایک خاص تک پرورش کرنی۔ بخلاف انسان کے کہ اُس کے سینہ میں ان باتوں کے سوا وہ علوم بھی القا کئے گئے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اپنے مصلح کلیہ اور منافع آئندہ کا شروع رکھا سکتا ہے جیسے جھوٹ یا زنا یا خیانت کو بڑا جانا اور سچ یا عدالت یا امانت کو اچھا جانا *

پھر جب ذرا اور تامل کیا جاتا ہے تو انسان کے قدرتی اور اکتسابی علم میں تین طرح کا امتیاز ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ قدرتی علم کی اصل تمام نوع میں مستحق ہونی ضرور ہے کیونکہ ہم اس علم کے آثار اور حیوانات میں اسی طرح مشاہدہ کرتے ہیں مثلاً شہد کی مکھی جس طریقہ سے شہد چال کرتی ہے اور کڑی جس ہنر سے جالا پورتی ہے وہ طریقہ اور وہ ہنر اُن کے تمام بنی نوع میں پایا جاتا ہے مگر چونکہ انسان کو خدا تعالیٰ نے عقل عنایت کی ہے اور عقل کا مقتضی تمام افراد میں یکساں نہیں ہوتا اس لئے وہ قدرتی اصل ایک صوت پر قائم نہیں رہتی مثلاً عورت اور مرد کو بغیر کسی تخصیص کے ایک دوسرے پر حرام جانا ایک عام قانون ہے جو کہ انسان کو قدرت نے تعلیم کیا ہے مگر اُس تخصیص کی صورتیں ہر قوم میں جدا جدا ہیں مسلمانوں کے ہاں اور طریقہ ہے ہندوؤں کے ہاں اور دستور ہے عیسائیوں کے ہاں اور قاعدہ ہے بخلاف اکتسابی علم کے کہ وہ نوع کے بعض افراد میں مستحق ہوتا ہے بعض میں نہیں ہوتا جیسے علم جیولوجی اور علم برق کہ یہ دونوں علم اہل برک کے

ساتھ مختص ہیں یا ایک زمانہ میں مختص تھے یا جیسے حرکات کو اکب کا علم یا علم ہندسہ کہ ایک زمانہ میں اہل مصر کے ساتھ مختص تھا۔ دوسرے یہ کہ جب انسان کو کوئی ایسی بات تعلیم کجائے جو قدرت نے اس کو پہلے سے سکھا رکھی ہے تو ضرور ہے کہ وہ بات بغیر دلیل اور برہان کے اُسکے دل میں تشرین ہو جائے بخلاف اکتسابی علم کے کہ جتنک اُس پر کافی دلیلیں قائم نہ کی جائیں تب تک اُسکی صداقت پر ہرگز دل گواہی نہیں دے سکتا مثلاً اگر ہمارے سامنے کوئی یہ کہے کہ گرمی کی شدت میں سرد ہوا سے نہایت فرحت حاصل ہوتی ہے تو خواہ وہ اُس کا طبعی سبب بیان کرے خواہ نہ کرے ہم کو اُسکے تسلیم کرنے میں کچھ تردد نہیں ہوتا لیکن اگر وہ ہم سے یہ کہے کہ ہوا دو مختلف گاسوں یعنی ایروٹ اور اویسٹوں سے مرکب ہے تو ہم سن بات کے خواہاں ہونگے کہ وہ عمل کیا کے ذریعہ سے ہوا کے اجزا تحلیل کر کے ہموکد کھا دے تیسرے جو علم انسان کو قدرت نے تعلیم کیا ہے اس میں کبھی خطا واقع نہیں ہوتی لیکن مرض کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے پیاس کا بجھانا جو انسان کو قدرت نے تعلیم کیا ہے اس میں کبھی خطا واقع نہیں ہوتی لیکن مرض کی حالت میں جب پیاس اس قدر بڑھ جائے کہ صرف ٹھنڈے پانی سے فروزہ ہو سکے اور اُس کا علاج کسی ٹھنڈی دوا سے کیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ بالکل فائدہ نہ بخشنے یا پیاس کو اور زیادہ کر دے ۔

ان سب باتوں میں غور کرینے بعد جب ہم اپنے اصل مقصود کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہم کو اس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جہاں قدرت نے انسان کو اور ہزاروں باتیں تعلیم کی ہیں انہیں باتوں میں سے مبدا و مواد کا احوالی علم بھی ہے یعنی اس قدر جاننا کہ کوئی ہمارا صانع ہے اور مرنے کے بعد ہم کو کچھ نہ کچھ اپنی بڑائی بھلائی کا ثمرہ ملنے والا ہے یہ انسان کی اصل فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے کیونکہ جہاں تک ہماری نگاہ پہنچتی ہے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آدمی عام اس سے کہ مذہب کا پابند ہو یا نہ ہو اور عام اس سے کہ الوہیت کا قابل ہو یا منکر بہر حال جس وقت وہ کسی ایسی خطرناک حالت میں پھنس جاتا ہے جس سے بربادی کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی اور جن وسایل پر اُس کو بھروسہ تھا وہ سب منقطع ہو جاتے ہیں تو جس طرح لوہا مقلاتیس کی طرف کھینچتا ہے اسی طرح اُس کی عالی توجہ اور باطنی ہمت چاروں طرف سے سمٹ کر ایک ایسی بونگھی اور اُن سمجھی ذات کی طرف کھینچتی ہے جس کو وہ اڑے وقت کا سہارا اور اپنی تمام تدبیروں کا منتہا سمجھتا ہے اسی طرح جہاں تک ہم کو معلوم ہے ہم نوع انسان کے کسی فرد کو اس بات سے خالی نہیں پاتے کہ وہ بعضی بڑائیوں سے نہ کسی دنیوی مضرت کے اندیشہ سے بلکہ ایک ایسے خوف کے سبب بچتا ہے یا بچنے کا ارادہ رکھتا ہے جس کا کھڈکا اُس کو مرنے کے بعد ہے اور بعضی بھلائیاں کسی دنیوی منفعت کے لئے بلکہ ایک ایسی توقع پر کرتا ہے یا کرنیکا ارادہ رکھتا ہے جس کے پوسے ہونے کی امید اُس کو مرنے کے بعد ہے

اسی مطلب کو ہم یوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ ہر فرد انسانی بعضے کاموں کو نہ کسی نیوی مضرت یا منفعت کے لحاظ سے بکھنڈل کی شہادت سے مذموم یا محمود جانتا ہے حالانکہ کسی شے کو بُرا یا بھلا جاننا اُسکے نتائج کے بُرا یا بھلا جاننے پر موقوف ہے پس اس کے سوا کوئی بات ذہن میں نہیں آتی کہ معاد کا اجمالی علم جو اُسکی فطرت میں کھائی گیا ہے صرف اُس کی ہدایت سے وہ اُن کاموں کو بُرا یا بھلا جانتا ہے ۛ

اس ساری تقریر سے یہ نتیجہ نکلا کہ مبدا و معاد کا اجمالی علم انسان کو قدرت نے تعلیم کیا ہے کیونکہ اگر اکتساب سے حاصل ہوتا تو اُسکے آثار تمام بنی نوع میں بلا استثناء ہرگز نہ پائے جاتے۔ لیکن یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ خیالات انسان کی اصل فطرت میں دیت نہ کئے گئے ہوں بلکہ مذہبی تعلیمات کے سبب فتنہ رفتہ تمام دنیا میں پھیل گئے ہوں مگر یہ شبہ ہم کو ایک ایسی دلیل کی طرف ہدایت کرتا ہے جس سے ہمارے مطلب کو اُور زیادہ تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ قدرتی علم کا ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ جب کوئی بات اس کے موافق انسان کو تعلیم کی جاتی ہے تو وہ اُس کو بغیر دلیل اور برہان کے تسلیم کر لیتا ہے پس اگر یہ بات مان لی جائے کہ خیالات مذکورہ مذہبی تعلیمات کے سبب دنیا میں شائع ہوئے تو بھی ہمارا مطلب کہیں نہیں جاتا کیونکہ اگر یہ دونوں اصول یعنی مبدا و معاد مجملًا انسان کی فطرت میں مخفی نہ ہوتے تو کسی طرح ممکن نہ تھا کہ سارا جہان ایسی دو نادیدہ باتوں کے تسلیم کرنے پر متفق ہو جاتا جن کا نمونہ سلسلہ محسوسات میں نہیں نظر نہیں آتا ۛ

ہم اوپر بھی لکھ چکے ہیں کہ قدرتی علم میں اکتسابی علم کی طرح غلطی اور خطا کا احتمال کبھی نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمیشہ سچا اور مطابق واقع کے ہوتا ہے پس جبکہ ہم یہ بات ثابت کر چکے کہ مبدا و معاد کا اجمالی علم قدرتی ہے اکتسابی نہیں ہے تو ضرور ہے کہ جیسا مبدا و معاد کی نسبت ہمارا اعتقاد ہے اسی طرح واقع میں بھی کوئی ہمارا صانع ہے اور مرنے کے بعد ہماری بُرائی بھلائی کا ثمرہ ہم کو ملنے والا ہے اور جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ مبدا و معاد کا اعتقاد صحیح اور مطابق واقع کے ہے تو ہماری عقل ہرگز جائز نہیں کہنتی کہ جس فیاض حکیم نے بغیر طلب اور خواہش کے اس اجمالی علم کی چاٹ لگا کر ہم کو اُس کی تفصیل کا مشتاق بلکہ ایسا حاتمہ کیا جیسے بیمار دوا کا اور پیاسا پانی کا محتاج ہو گیا ہے وہ باوجود ہماری طلب اور خواہش کے اُس کی تفصیل کا دروازہ ہم پر نہ کھولے ہمارے نزدیک اگر مبدا و معاد کا تفصیلی علم حاصل کرنے کے وسائل ہم سے منقطع کئے جائیں تو ہمارا حال یا تو بعینہ اُس پیاسے کا سا ہو جس کو ایک سرد اور شیریں اور شفاف پانی کے چشمہ سے ڈھکھونٹ پلا کر اُس چشمہ کی راہیں چاروں طرف سے مسدود کر دیں یا اُس غلام کا ساحل ہو جس کو اُس کا آقا کسی دور و دراز مسافت پر ایک خطرناک ستھ سے بھیجے اور سوا اسکے کہ اُس ستھ کا خطرناک ہونا اُس کو کسی طرح بتائے اُن خطرات کی حقیقت یا اُنکے موقع و محل سے آگاہ نہ کرے اور کوئی تدبیر اُن سے بچنے کی اُس کو نہ سوجھائے۔ کیا ہمارا ولی نعمت

جس کو ہم جو دو کرم کے ساتھ متصف اور بخل و خدمت سے منزہ جانتے ہیں وہ ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کر سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں کر سکتا بلکہ ضرور ہے کہ وہ ہمارے لئے کوئی ایسی شمع روشن کرے جو اس اجمال کے دھندلی تفصیل کی روشنی پھیلا کر ہمارے جہل و تردد کو علم و یقین کے ساتھ تبدیل کرے +

یہاں شاید ہمارے دل میں یہ خیال گذرے کہ وہ شمع ممکن ہے کہ ہماری عقل ہو جو کہ ہم میں اور ہمارے مائنانے جنس یعنی اور حیوانات میں مابالائیات ہے اور جسکے سبب ہم کو تمام محسوسات پر شرف اور فضیلت حاصل ہے اور جس کی بدولت ہمارے بنی نوع پر موجودات عالم کے سرار روز بروز کھلتے چلے جاتے ہیں مگر ہم کو اُمید نہیں کہ اس خیال کو ہمارے دل میں پانی کے میلہ سے زیادہ قیام ہو کیونکہ ہم جو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھتے ہیں تو اپنی عقل کو مبدا و معاد کی حقیقت کے ساتھ وہ نسبت پاتے ہیں جو آنکھوں والے کو ایک اندھیری کوٹھری کے ساتھ ہوتی ہے کیا کسی کو یہ اُمید ہے کہ آنکھوں کی روشنی ایک کلبہ تیروتا میں کچھ کام دے سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں دے سکتی۔ اسی طرح آدمی کی عقل مبدا و معاد کی حقیقت کا سراغ ہرگز نہیں لگا سکتی۔ ٹھے ٹھے حکیم اور فیلسوف اور ٹھے ٹھے محقق دانشمند جنہوں نے سارے جہان کی چیزوں کو چھان مارا اور حقائق اشیاء پر جو جہالت کے پردے پڑے ہوئے تھے اُن کو نفع کیا، او قانون قدرت سے وہ اصول اور وہ قاعدے استنباط کئے جنکے سبب انسان کے چہرہ پر خلافتِ رحمانی کا منصب ہونا کھل گیا جب انہوں نے قدم اپنی حد سے آگے بڑھایا یعنی بے اسیمے کہ کسی شمع سے اپنا چراغ روشن کریں اپنی انکھ سے مبدا و معاد کا سراغ ڈھونڈنے لگے تو صرف یہی نہیں کہ وہ منزل مقصود تک پہنچ سکے بلکہ انہوں نے ایسی ٹھوکریں کھائیں اور اُن کی رايوں نے ایسی غلطیاں کیں کہ جب اُنکے اور مقتدا کے ساتھ اُن رايوں کو دیکھا جاتا ہے تو اُن میں وہ نسبت معلوم ہوتی ہے جو کہ عاقل اور مجنوں کے کلام میں ہونی چاہئے اور بڑی دلیل اس بات کی کہ یہ گروہ اپنی سعی میں ناکام رہا یہ ہے کہ اُس بے شمار گروہ میں سے شاید دو شخصوں کی رايوں ایسی نہ نکلیں جو کہ باہم اتحاد کلی رکھتے ہوں یہاں ہم کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مطلب کے زیادہ تر دانشین کرنے کے لئے قدیم مصر والوں کا تھوڑا سا ضروری حال رولن صاحب کی تاریخ سے بطور انتخاب کے نقل کیا جائے +

جس طرح اس زمانہ میں اہل یورپ اپنے تئیں پورا شاہینہ اور اپنے راسوا تمام عالم کو وحشی یا نیم وحشی خیال کرتے ہیں اسی طرح اہل مصر غیر ملکوں کے لوگوں کو وحشی کہا کرتے تھے چنانچہ جب نیکر بادشاہ تخت پر بیٹھا تو اُس نے اول دریائے نیل کی نہر پر بدستور سابقہ جاری رکھی مگر پھر ایک غیبی قائل سے خوف کھا کر اُس نہر کا بنوانا چھوڑ دیا کیونکہ اُس کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اس نہر کے بننے سے وحشی

قوموں کے لئے مصر میں آنی کی راہ کھل جائیگی ۛ ۛ پہلے لوگ مصر کو فنونِ آداب سلطنت کا ایک عمدہ مدرسہ جہاں سے علوم کو نشوونما اور روز بروز ترقی پہنچتے تھے اور حقیقت میں بھی عمدہ فن ہاں ایجاد ہوتے تھے اور اس ملک سے نہایت عمدہ عمدہ ہنر اور عجیب عجیب فن اُن لوگوں کو جو علم و ہنر میں ترقی کر نیکی کو شش کرتے تھے حاصل ہوتے تھے یونان کے بڑے بڑے لوگوں نے مثل ہیومر اور فیثاغورس اور افلاطون اور روماں کے اچھے اچھے مقنونوں نے مثل لائیگرکس اور سولن مع اور بہت سے نامیوں کے جن کا بیان یہاں ضروری نہیں نظر تکمیل علوم مصر کا سفر اختیار کیا اور خدا تعالیٰ نے بھی (کتاب مقدس میں) اُس کی تعریف کی ہے۔ کیونکہ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں یہ فرمایا تھا کہ وہ مصریوں کے ہر طرح کے علم و ہنر میں کامل تھا ۛ ۛ مصری ایک عجیب طرح کی موجب طبیعت رکھتے تھے اور ہر کام میں نئے نئے ایجاد نکالتے تھے۔ اُنہوں نے اپنی طبیعت کو مفید کاموں کے ایجاد کی طرف متوجہ کیا تھا۔ اور اُنکے زمانہ کے علماء نے جو کہ مصر کے مایہ تھے مصر کو عجیب عجیب ایجادوں سے معمور کر دیا تھا۔ اُنہوں نے کسی ایسی چیز سے جس سے طبیعت انسانی کی تکمیل ہوتی ہے ایسے سے آرام اور خوشی حاصل ہوتی ہے مصر کو محروم نہ رکھا تھا ستاروں کی حرکات پر وہ لوگ سب سے پہلے مطیع ہوئے اور سب سے پہلے اُنہوں نے ہی علم ہندسہ ایجاد کیا۔ موجوداتِ عالم کے حالات اور خواص دریافت کرنے میں یہ لوگ بہت کوشش کرتے تھے ۛ ۛ ۛ ۛ سدہ یوں نے فنِ عمارت اور رنگ آمیزی اور رنگ تراشی اور اُرد تمام فنون کو کمال پر پہنچایا تھا ۛ ۛ جن لوگوں نے قواعد حکمت حکومت کو خوب سمجھا اُن میں سب سے اول مصری تھے۔ اس قوم نے یہ بات سب سے پہلے دریافت کی کہ فنونِ قواعد سلطنت کا اصلی مطلب یہ ہے کہ اپنی زندگی مزے سے کٹے اور رعیت آباد رہے۔ مگر دین کے مقدمات میں جس قدر مصری حقیقت تھے کوئی نہ تھا۔ بتوں کی بہت کثرت تھی اور اُنکے غول اور اُنکے درجے جدا جدا تھے ان بتوں میں اوسرئس اور اسس جن کو وہ چاند سورج تصور کرتے تھے بہت بڑے بہت تھے اُن کی پرستش عموماً ہوتی تھی اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ انہیں سیاروں کی پرستش سے بت پرستی نے ظہور پایا۔ اُنکے سواہل اور کٹا اور بھیڑ اور بلی اور باراؤر گرچہ اور لگ لگ کی بھی پرستش ہوتی تھی اور ان میں سے بعض جانور ایسے تھے کہ خاص خاص شہر میں پوجے جاتے تھے اور یہ نقشہ تھا کہ ایک قوم ایک جانور کو قبلہ و کعبہ سمجھا کر دیوتا کی طرح پوجتی تھی اور دوسری قوم اُسی کی صورت سے نفرت کرتی تھی ان جانوروں میں سانپا میں نہایت ممتاز ہوتا تھا اُسکے نام کے شے شے مالیشان منہ جائے جلتے تھے اور اُسکے مری جانیکے بعد نہایت اُسکے ایام حیات کے اُس کی عزت اور توقیر زیادہ ہوتی تھی۔ تمام مصر اُسکے سگ میں ماتم کرتا تھا اور اُسکی تجزیہ و کفین اس مضموم و ہمام سے ہوتی تھی کہ اُس پر شکل سے یقین آتا ہے۔ ٹوہی دیگس کی بادشاہت میں جب وہ جانور خبیث ہو کر مر تو اُسکے سازو سامان میں سولے اضراجات معمولی کے ایک لاکھ بارہ ہزار پانسو روپیہ صرف ہوا تھا۔ جب اُسکی تجزیہ و کفین سے

فراغت ہوتی تھی تو اُس کی جگہ دوسرے کے مقرر کر نیکی فکر ہوتی تھی اور تمام مصر اُس کی تلاش میں جاتا تھا اس سائنڈ میں چند علامتیں ہونی ضرور تھیں جن کے سبب وہ اُنور سائنڈوں سے ممتاز ہوتا پیشانی پر ہلال کی شکل پشت پر عقاب کی صوت زبان پر بھونری کا نقشہ ہونا ضرور تھا اور جب قسمت سے ایسا سائنڈ ملتا تھا تو تمام مصر میں گھر گھر خوشی ہوتی تھی اور نام جاتا رہتا تھا۔ جب شاہ کیمبس اچھوپیا کی ہم سے ناکام آیا تو وہ ایسے دنوں میں مصر پر گذرا کہ مصری سائنڈا پس کی خوشیوں میں کھیل کود رہے تھے۔ یہ ناکام مل سوختہ اُن کو خوشیاں کرتے دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ لوگ میری ناکامی پر ہنستے ہیں۔ اُس نے اُس نے سائنڈ کو جس نے اپنی خدائی کا بھٹ بہت کم اٹھایا تھا قتل کر دیا اور تمام مصریوں کو بن خدا کا کر دیا مصریوں نے صرف جانوروں کے آگے خوشنویں جانے پر ہی اکتفا نہ کیا تھا بلکہ اپنے باغوں کے نباتات کو بھی دیوتا سمجھتے تھے۔ نہایت تعجب کی بات ہے کہ جو لوگ تمام دنیا سے فضل ہنر میں فائق ہوں اور وہ آپ کو ایسا ہی سمجھتے بھی ہوں وہ ایسی حماقت میں گرفتار ہو جائیں اور جھوٹے معبودوں کی پرستش میں ایسے اندھا دھند پڑ جائیں کہ تھوڑی سی سمجھ بوجھ بھی اُس کو پسند نہ کرے جانوروں اور کیڑے کوڑوں کا مندروں میں پوجنا اور کمال اعتیاد سے اُن کو پالنا اور اُن کے قاتلوں سے قصاص لینا اور مرنے کے بعد اُن جانوروں کو عطریات سے بھرنا اور بڑی عہدوم دھمام سے قبروں میں دفنانا اور رفتہ رفتہ پیاز اور لسن کو بھی پوجنا اور اڑے وقتوں میں اُن سے مدد مانگنی اور اُن پر بھروسہ کرنا ایسی نادانی کی باتیں ہیں کہ اس زمانہ میں اُن پر مشکل سے یقین آتا ہے مگر اگلے لوگ ان سب باتوں پر گواہی دیتے چلے آئے ہیں۔ لوشین صاحب لکھتے ہیں کہ اگر تم کسی ایسے عالیشان مندر میں جاؤ جو سونے چاندی سے جگمگ رہا ہو اور چاند سورج اُس کی ٹیپ ٹاپ کی تاب نہ لاسکیں تو تم کو اُس مند کے دیوتا کے دیکھنے کا بہت شوق ہوگا اور تم نہایت مشتاق ہو کر جب اندر جاؤ گے تو کہ لگ لگ یا بلی یا بندر بڑی شان شوکت اور تمام کروفر سے ہاں جلوہ فرما رہے خدا تعالیٰ نے بیشک اس بات کو دکھانے کو کہ انسان اگر اپنی عقل پر چھوڑ دیا جائے تو اُس کا یہ روپ ہو جاتا ہے کہ اہل مصر جیسے لوگوں کو جنہوں نے عقل انسانی کو نہایت اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا تھا ایسی نفرت انگیز اور بیہودہ پرستی میں پھنسا رہنے دیا تاکہ لوگوں کی تماشا گاہ بنیں“۔

مصریوں کا یہ عبرت انگیز حال جو رولن صاحب کی تاریخ سے نقل کیا گیا اہل یونان کا حال بھی اس کے قریب قریب تھا اور یہ اس بات کا نہایت کامل ثبوت ہے کہ انسان کی عقل معاش کیسی ہی اعلیٰ درجہ پر کیوں نہ پہنچ جائے مبادعا کا علم حاصل کرنے میں ہرگز کافی نہیں ہو سکتی۔ تاریخ یونان میں لکھا ہے کہ جب ہائیروبادشاہ سسلی نے حکیم سائموئیڈیز سے باری باری تعالیٰ کی حقیقت دریافت کی تو اُس نے پہلے دن ایک روز کی اور دوسرے دن دو روز کی مہلت چاہی اور اسی طرح ہر روز مہلت مانگتا رہا آخر

ایک دن بادشاہ نے بار بار مہلت مانگنے کی وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ میں مضمون سمجھ اور فکر سے اس قدر بعید ہوں کہ جس قدر اس میں غور کرتا ہوں اُسی قدر تحیر زیادہ ہوتا ہے اور تاریکی چھائی جاتی ہے اور کیفیتیں جو حکمائے چین کا سرگروہ اور ہل چین کا مقتدا ہے اور جس کی تعلیمات کا مدار محض عقل و رائے پر ہے جب اُس سے لوگوں نے آخرت کا حال پوچھا تو اُس نے اُس کا جواب دینے میں اپنی کمال دماغی اور انصاف ظاہر کیا اُس نے کہا کہ جب دنیا ہی کی ہزاروں چیزیں ہماری نظر سے مخفی ہیں تو ہاں تک ہماری عقل کیونکر پہنچ سکتی ہے +

بہر حال اگر ہماری اس رائے سے جو پر بیان کی گئی یا کسی اور دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ واقع میں کوئی ہمارا صانع ہے اور مرنے کے بعد ہم کو اپنی بُرائی بھلائی کا ثمرہ ضرور ملنے والا ہے تو بیشک ہم کہ ان دونوں باتوں کا تفصیلی علم حاصل کرنے کے لئے اپنی عقل ناقص کے سوا کوئی اور ذریعہ ڈھونڈنا پڑیگا اور وہ ذریعہ نہیں ہے مگر وجود صاحب الہام والحمد للہ علی الاتمام +

زمانہ

جب زمانہ بدلے تم بھی بدل جاؤ

زمانہ کی نیزکیاں مشہور اور اُس کی تتون فراخیاں ضرب المثل ہیں سوہ سدا ایک حال پر نہیں ہوتا وہ ہمیشہ ایک حال پر نہیں پلتا۔ وہ گرگٹ کی طرح برابر رنگ بدلتا رہتا ہے وہ اُس پتھر کی طرح جو پہاڑ کی چوٹی سے ٹکایا جائے ہزاروں پٹے کھاتا چلا جائے۔ وہ جو روپ بھرتا ہے اُسکے چہرہ پر کھل جاتا ہے وہ جو ٹھاٹھ بدلتا ہے اس کا رنگ ساری مجلس پر چلا جاتا ہے وہ کبھی دن کی روشنی میں اور کبھی رات کی تاریکی میں کبھی گرمی کی تپش میں اور کبھی جاٹے کی ٹھہریں ظہور کرتا ہے پر کسی جیس میں اُس کا رنگ مجھے بغیر نہیں ہوتا جب دن کا بانا بدلتا ہے تو رات کے سارے عمل باطل کر دیتا ہے۔ سو توں کو نیند سے جگاتا ہے۔ نیکوں کو کام پر لگاتا ہے۔ طبیعتوں سے سستی کو دور کرتا ہے اور دلوں کو اُمنگوں سے بھر دیتا ہے۔ جب وہ رات کا ستارہ پھلتا ہے تو دن کی ساری کائنات حرف غلط کی طرح مٹا دیتا ہے۔ مزدوروں کا دل محنت سے اُچاٹ کرتا ہے۔ بنگا کشوں کو بہتر راحت کی طرف کھینچ لاتا ہے۔ اور ساری دنیا پر غفلت کا پردہ ڈال دیتا ہے گرمی میں اُس کی بازی کا لفتہ کچھ اور ہے۔ اور جاڑے میں اُس کی حکومت کا ڈھنگ کچھ اور ہے۔ مبارک وہ ہیں جنہوں نے اُسکے تیور پہانے اور اُس کی چال وصال کو نگاہ میں رکھا۔ جو مکر وہ چلا اُسکے ساتھ ہو سکے اور جو صبر سے اُس نے رُخ پھیرا اُس سے پھر گئے +

جس طرح دنیا کی بیہودی کا مدار مقتضائے وقت کی موافقت پر ہے اسی طرح دین کی کامیابی بھی اسی پر موقوف ہے۔ کتاب مقدس و توریت میں خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بڑی تعریف اس بات پر کی ہے کہ وہ مسیریوں کے تمام علوم میں کامل تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبوت جیسا جلیل القدر منصب بھی اسی شخص کو عطا ہوتا ہے جس میں زمانہ کے حسب حال ہونیکی پوری پوری قابلیت ہوتی ہے۔

ہم اسے بنی برحق نے جو دعوت اسلام میں کامیابی نمایاں حال کی اس کا بڑا ذریعہ عبارات قرآنی کی طاقت اور وضاحت تھی جس کا مدار بالکل مقتضائے وقت کی موافقت پر تھا کیونکہ اس وقت شعر و شعاری کے شور سے تمام عرب گورج رہا تھا اور فصاحت و بلاغت کے دعوے نہایت توجہ سے سنے جاتے تھے کوئی کمال علم ادب کے ہم پلہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ اور کوئی ہتیا ر تیغ زبان کے برابر کارگر نہ ہوتا تھا۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد پہلی اور دوسری خلافت میں جو اسلام کو ترقی و زلفاؤں نصیب ہوئی اور کوئی فتنہ ایسا حادث نہ ہوا جو اس کے زور و طاقت کی مزاحمت کرتا اس کا اہل سبب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ منصب خلافت کے لئے آگے پیچھے ایسے دو شخص انتخاب کئے گئے جن کا چلن اور برتاؤ بالکل مقتضائے وقت کے موافق تھا اور اس سبب سے زمانہ ان کا معین مددگار بن گیا تھا۔ چنانچہ اسی مصلحت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب مرتضیٰ کے اختلاف کی نسبت والی کا اراکہ فناء و ن فرمایا اور یحییٰ بن کی نسبت کچھ تردد ظاہر نہ کیا۔

فاروق کی شہادت چونکہ مقتضائے وقت کے موافق تھی اس لئے فرعون اسلام کے حق میں برحمت کا کام کر گئی اور عثمان ذو النورین کی موت جو انہوں نے مردان بن الحکم وغیرہ کے ساتھ بتی چونکہ مقتضائے وقت کے موافق نہ تھی اس لئے اس فتنہ عظیم کی اصل قرار دی گئی جو آپ کے آخر عہد خلافت میں ہوا اور جس کا ایک نتیجہ آپ کا قتل تھا۔

ایک زمانہ میں مقتضائے وقت یہ تھا کہ محدثین اسلام اس خیال سے کہ رسول مقبول کے ارشادات تمام و کمال فراہم ہو جائیں روایات کے اخذ کرنے میں طبیبیاس کی کچھ تیز نہ کرتے تھے۔ پھر دوسرے زمانہ کا مقتضی یہ ہوا کہ ان روایتوں کی تنقید اور ان کے راویوں کی چھان بین کی جائے اور صحیح کو سقیم سے اور قوی کو ضعیف سے اور معروف کو منکر سے اور ثابت کو موضوع سے جدا کیا جائے۔ اگر وہ پہلا طبقہ مقتضائے وقت کا لحاظ نہ کرتا تو علم نبی کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو جاتا اور اگر یہ دوسرا گروہ کھڑا نہ ہوتا تو حق و باطل اور صدق و کذب کا امتیاز و شواہد ہو جاتا۔

بڑی دلیل اس بات کی کہ مقتضائے وقت کا لحاظ ضروریات دین سے ہے وہ روایت ہے جس میں امام ابنی ہریرہ سے اور اس کے قریب قریب (محب طبری نے ابو موسیٰ اشعرئی سے روایت کیا ہے۔

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ جو شخص صدق دل سے لا اِلهَ اِلَّا اللہ کہے گا وہ ضرور بخشا جائیگا۔ عمر فاروق مضمون منکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس بشارت کو لوگ اعمال صالحہ کی بجائے اور سی میں تصور کرینگے۔ آپ نے فاروق اعظم کی اس رائے کو پسند فرمایا اور تا وقتیکہ روایات کی تدوین کرنیکی ضرورت نہ پڑی یہ بشارت تمام امت میں عام نہ ہوئی۔

الغرض دنیا کی یہودی یا دین کی کامیابی مقتضائے وقت کی موافقت بغیر حال نہیں ہو سکتی مگر اس موافقت سے ہماری یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ مثلاً بیدیتی والحاد کے زمانہ میں دین مذہب سے ہاتھ اٹھا بیٹھیں۔ اور عیش و عشرت کے زمانہ میں جفاکشی اور محنت سے دست بردار ہو جائیں یا جہاں خوشامد کا بازار گرم ہو وہاں خاشامی بن جائیں اور جہاں مسخروں کا زور ہو وہاں غیرت اور حیثیت کو بالائے طاق رکھ دیں۔ نہیں۔ بلکہ ہماری سائے میں کوئی بڑے سے بڑا زمانہ ایسا نہیں ہوتا جس میں مقتضائے وقت کے موافق کوئی نہ کوئی جائز طریقہ کامیابی کا موجود نہ ہو۔ مثلاً جیسا کہ فلسفہ یونانیہ یونانی زبان سے عربی زبان میں منتقل ہوا اور بطلمیوس اسطو کے خیالات عرب اور عجم کے گلی کوچلوں میں منتشر ہو گئے تو الحاد اور بیدیتی نے لوگوں کے دلوں میں چٹکیاں لینی شروع کیں یہاں تک کہ نصوص قرآنی اور احادیث نبوی پر دھڑا دھڑا اعتراض ہونے لگے اور جہاں دین میں رخنے نکلنے لگے اُس وقت علماء کے فروغ اور کامیابی کے دو طریقے پائے جاتے تھے۔ ایک جائز و مساجات۔ ناجائز طریقہ تھا کہ مسائل فلسفہ کی تائید کر کے الحاد کی آگ کو اور مشتعل کر دیتے اور آزادی ہنسی من بھاتی چیز کو دنیا میں پھیلا کر دنیوی فروغ حاصل کرنے اور جائز یہ تھا کہ شریعت اور حکمت میں تطبیق یا مسائل حکمیہ کی تغلیط کر کے الحاد کی آنچ سے دین کو بچاتے اور معترضوں کی زبان بند کرتے۔ چنانچہ علمائے اسلام نے (شکو اللہ سیرہم) یہی جائز طریقہ اختیار کیا اور فلسفہ یونانیہ کے مقابلہ میں ایک جدا فلسفہ قائم کیا جو اہل اسلام میں علم کلام کے نام سے مشہور ہے۔

دھوکہ دہ کے ساتھ پھر گئے۔ گرمی میں گرمی کا سامان کیا۔ اور جاڑے میں جاڑے کی تیاری کی۔ دن کو دن کی طرح بسر کیا۔ اور رات کو رات کے طور پر کاٹا۔ اور بد نصیب وہ ہیں جنہوں نے اس کی پیروی سے جی چرایا۔ اور اُس کی ہمراہی سے ناک چڑھائی۔ گرمی چمکی پر اُنہوں نے جاڑے کے کپڑے نہ اتارے اور ہلکے پھلکے نہ بنے۔ دن نکلا پر اُنہوں نے کروٹ نہ بدلی۔ اور خواب شبینہ سے بیدار نہ ہوئے۔ اب وہ بہت جلد دیکھینگے کہ پیچھے کون رہا اور منزل تک کون پہنچا۔

جو لوگ زمانہ کی پیروی نہیں کرتے وہ گویا زمانہ کو اپنا پیرو بنانا چاہتے ہیں۔ مگر یہ اُن کی سخت غلام خیالی ہے۔ چند مچھلیاں دریا کے بہاؤ کو نہیں روک سکتیں اور چند جھاڑیاں ہوا کا رخ نہیں پھیر سکتیں اسی لئے ایک پختہ کار شاعر نے کہا ہے کہ ”زمانہ باتو نساؤ تو بازمانہ بساز“ اور عرب کے ایک حکیم کا قول ہے کہ درم مع الد

کیف ماحارہ (یعنی زمانہ بدھ کو پھرے اُس کے ساتھ پھر جا) :

شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ مرہیو لے نکل صورتہ (یعنی اپنی ذات میں ایسی قابلیت پیدا کر کہ جس رنگ کو چاہے فوراً قبول کرے) یہ اس لئے فرمایا کہ زمانہ بھی انقلاب سے خالی نہیں رہتا۔ اور اُس کا مقابلہ انسان ضعیف البنیان سے نہیں ہو سکتا۔ پس انسان میں ایسی قابلیت ہونی ضرور ہے کہ جیسی ضرورت دیکھے ویسا بن جائے تاکہ نہ اس کا کوئی انقلاب اُس کو سخت صدمہ نہ پہنچائے۔ آندھی کے پر زور حملے انہیں تندرختوں کو نقصان پہنچاتے ہیں جو اپنی جگہ سے ٹلنا نہیں چاہتے پر چھوٹے چھوٹے لچکدار پودے جو ہوا کے ہر جھوکے کے ساتھ جھک جاتے ہیں ہمیشہ برقرار رہتے ہیں :

اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ عارضی یا چند روزہ کامیابی مقتضائے وقت کی مخالفت میں بھی حاصل ہو سکتی ہے مگر جو لوگ دنیا میں اگر کامیابی کا پورا پورا استحقاق حاصل کر گئے وہ وہی تھے جنہوں نے مقتضائے وقت کو ماتھے سے نہ دیا اور جیسا زمانہ دیکھا ویسے بن گئے :

حکیم ابو عبد اللہ انوری جس نے اپنے زمانہ کے تمام علوم میں کامل ستگاہ حاصل کی تھی۔ اور پھر عجم کے اُن تین شاعروں میں شمار کیا گیا جو ہمیشہ شعر مانے گئے ہیں۔ اگر مقتضائے وقت کی پیروی نہ کرتا تو یہ شہرت اور عزت اُس کو ہرگز حاصل نہ ہوتی۔ وہ خراسان کی ایسی بستی (وزاکان) میں بٹھرا ہوا تھا کہ اتفاق سے اُس عہد کے ملک الشعراء ابو الفرج سنجری کا لشکر بھی وہیں آکر بٹھیرا۔ انوری نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سارا جلوس سنجری کے ساتھ ہے۔ کہا بُسوان اللہ۔ علم کا مرتبہ ایسا بلند۔ اور میں اس قدر مفلس؟ اور شاعری کا درجہ ایسا ذلیل۔ اور اس شخص کو یہ جاہ و حشمت؟ اب مجھ کو بھی قسم ہے جو شاعر ہی نہ کہ کماؤں۔ چنانچہ اُسی ات کو ایک قصیدہ سلطان سنجری مرح میں لکھ کر تمام کیا جس کا مطلع یہ ہے۔

گردل و دستِ بحر و کاں باشد دل و دستِ خدا یگاں باشد

پھر تمام عمر شاعری کی بدولت خوشحال اور فارغ البال رہا۔ اور دنیا میں شہرت اور بلند نامی حاصل کی :

ایک مجلس میں شیخ ابو الفضل کے کلمات اور ترقیات کا تذکرہ تھا ایک صاحب نے کہا ”وہ بابائے کمالات اگر اس زمانہ یعنی انیسویں صدی عیسوی میں ہوتا تو شاید عدالتوں میں عرضی نویسی کر کے اپنا پیٹ پالتا“ ہم نے کہا اگر وہ اس زمانہ میں ہوتا تو ہرگز اپنی کامیابی کا ذریعہ اُس لیاقت کو نہ گروانتا جس کی بدولت اُس نے سو لکھوں صدی عیسوی میں ترقیات حاصل کی تھیں بلکہ اس عہد میں وہ کم سے کم آیم اسے یا ایل آیل ڈی کا درجہ ضرور حاصل کرتا اور کچھ نہیں تو لندن کے کسی نامی راجی اخبار کا کارپانڈنٹ ضرور ہوتا۔ یہ ہمارا ایک سربراہ جواب تھا جو اُس وقت بلاتل زبان سے نکل گیا مگر اب غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب بالکل صحیح تھا

ابو الفضل کی ذات میں ہر زمانہ کا رنگ بدلنے کی ایسی قابلیت تھی کہ وہ جس زمانہ میں ہوتا اُس زمانہ کی حیثیت کے موافق ضرور اپنے ہم چشموں میں متنازع ہوتا۔ وہ ایک قوم میں جو غالباً اُس نے اپنے باپ کے نام لکھا ہے تخریر کرتا ہے، کہ ”بعض لوگ میری نسبت یہ کہتے ہیں کہ ایک طالب علم کو اس قدر منصب جلیل تک پہنچا دینا بادشاہ کو زیبا نہ تھا اس لئے میری بھی اب یہی تمنا ہے کہ سپہ گری کا کئی کارنایاں لکھاؤں۔“ اُس کا یہ قول نرا دعویٰ ہی دعویٰ نہ تھا بلکہ اُس نے مرتے وقت اُسکے اکثر ہمراہی بھاگ گئے تھے اور چند آدمی جو بچے تھے وہ اس کو یہ صلح دے رہے تھے کہ اس تھوڑی سی جمیعت پر بندوبست کا مقابلہ کرنا مصلحت نہیں مگر وہ نہایت ترشی سے یہ لکھ کر ”مگر گریم“ اکیلا فوج مخالف میں جا گھسا لیکن چونکہ پیادہ عمر بزرگ ہو چکا تھا گھوڑا گھوڑا کھڑا کر کے گرتے ہی مخالفوں نے شیخ کا کام تمام کر دیا +

سلطان شہاب الدین غوری کو مورخوں نے بہت سخت اور تند مزاج لکھا ہے اور اُسکے ثبوت کیلئے اُس کی وہ زیادتی پیش کرتے ہیں جو فتح اجیر کے بعد اُس سے ظہور میں آئی۔ یعنی کئی ہزار آدمی جو فتح کے بعد بچ رہے تھے اُن سب کو تیغ بیدریغ کے حوالہ کیا۔ مگر باوجود اُسکے اُسکی سختی اور تند مزاجی کو اس سبب سے مذموم نہیں سمجھا کہ جس فتنہ و فساد کے زمانہ میں وہ تسلط ہوا تھا اُسکے لئے ایسے ہی مزاج کا بادشاہ ہونا سزاوار تھا + جلال الدین اکبر کا زمانہ (جیسا کہ اکثر مورخوں نے لکھا ہے) ظاہراً بیدینی اور الحاد کا زمانہ ثابت ہوتا ہے اور اس سبب سے ممکن ہے کہ بہت سے لوگوں کی کامیابی کا ذریعہ یہی بیدینی اور الحاد ہو مگر تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے عہد میں کامیابی کا بڑا ذریعہ شجاعت و بہادری و فضل و کمال اور علم و ہنر تھا کیونکہ اُس کے درباریوں اور مقربوں میں کوئی آدمی ایسا نہیں معلوم ہوتا جس نے بدوں کسی کمال یا ہنر کے محض بیدینی اور الحاد کے ذریعہ سے مغنہ یا تیا ز حاصل کیا ہو بلکہ اُسکے ارکان دولت میں ایسے آدمی البتہ پائے جاتے ہیں جو اپنے مذہبی قواعد کے نہایت پابند تھے اور جنہوں نے صرف اپنے فضل و ہنر کی بدولت بادشاہ کے دل میں جگہ پائی تھی جیسے ملا فتح اللہ شیرازی مسلمانوں میں۔ اور راجہ ٹوڈرل ہندوؤں میں۔ یہ دونوں شخص اکبری دورہ میں نہایت نہایت متعصب گئے جاتے تھے۔ بالائیمہ ملانے اپنے علوم عقیدہ و نقلیہ کے سبب اور راجہ نے حساب ساقی کی عمارت یاد انشمندی اور حسن تدبیر کی جہت دربار بادشاہی میں جو مرتبہ حاصل کیا وہ سب پر روشن و ہویا ہے +

بہر حال جہاں کامیابی کے دو چار ناجائز طریقے پائے جاتے ہیں ہاں ایک دوسرے طریقہ جائز بھی ضرور ہو جوتا ہے اور جو کامیابی اُن ناجائز طریقوں سے حاصل ہوتی ہے وہ اُس کامیابی کے برابر کبھی پائدار و مستحکم نہیں ہوتی جو جائز طریقوں سے حاصل ہو سکتی ہے ہم نے بارہا تجربہ کیا ہے کہ جن باروں میں مثلاً خوشامد کا بازار گرم تھا اور جہاں حاکم کی مرضی کے خلاف بولنا جرایم کہیہ کے ارتکاب سے زیادہ خطرناک سمجھا جاتا تھا حاجب ہاں کوئی

سچا اور آزاد طبیعت کا آدمی پہنچا اگرچہ اُس کو چند روز اپنی آزاد طبیعت کی کسی قدر روک تھام کرنی پڑی لیکن آخر اُس کی راستی اپنا رنگ جائے بغیر نہ رہی۔ رفتہ رفتہ اُسی کا قول مغنیر ٹھہرا اور اُسی کی صلاح نیک سمجھی گئی +

ان تمام شہادتوں سے ہم آسانی یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ہندوستان کی اکثر قومیں جو روز بروز تباہ ہوتی جاتی ہیں اور مسلمانوں کی قوم با قبالی کے بھنور اور ذلت کی دلدل سے کسی طرح نہیں نکلتی اس کا سبب سوا کچھ نہیں کہ اُن لوگ اپنی حالت کو زمانہ کے موافق بناتے جاتے ہیں پر مسلمان اپنی مضعداری کو ماتھے سے نہیں دیتے + اے ہندوستان کے مسلمانوں۔ کیا تم ابھی اُس عالم میں ہو جس میں تمہارے آباؤ اجداد زندگی بسر کرتے تھے؟

کیا تم اُسی کھیتی کے پروان چڑھنے کے منتظر ہو جس میں تمہارے بزرگوں نے تخم افتخانی کی تھی؟ مدت ہوئی کہ وہ عالم گزر گیا۔ اور وہ کھیتی دریا برد ہوئی۔ ذرا آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ تم کون ہو اور کہاں ہو۔ تمہاری گرہ میں جو دام ہیں وہ بازار میں آج پھونی ٹوڑی کو نہیں چلتے۔ تمہاری دوکان میں جمال ہے اُسے بلی مفت خریدنا نہیں چاہتا۔ تمہارے چرخ میں جو تیل تھا وہ جل گیا۔ تمہاری کھیتی میں جو پانی تھا وہ سوکھ گیا۔ دیکھو! تمہاری ناؤ بودی ہے اور دریا دم بدم چڑھتا جاتا ہے۔ تمہارا قافہ پیادہ ہے اور مغز لیں کٹھن آتی جاتی ہیں +

اس تمہید سے ظہور کو ضروری خیال پیدا ہو گا کہ ہم آگے چکر اپنی قوم کو انگریزی پڑھنے کی میز کر سی لگانا کی کوٹ پتلون پہننے کی چھری کانٹے سے کھانے کی ترغیب دینگے کیونکہ ظاہر زمانہ کا حال مقتضی یہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اُن کو یاد رہے کہ ہماری مراد اس تمہید سے یہ ہرگز نہیں ہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ جس بُری حالت میں ہیں اُس سے نکلنے کی جو سیدھی راہ اُنہیں نظر آئے اُسی راہ کو اختیار کریں اور جس طرح ہو سکے اپنا قدم آگے بڑھائیں کیونکہ زمانہ باؤز بند کہ رہا ہے کہ من استوا یوما کا فو مغبون (یعنی جسکے دو دن ایک طاقت پر گزرتے وہ خسارہ میں آئے) اور درو دیوار سے یہ صدا آرہی ہے کہ۔ قدم سعی پیشتر بہتر +

دنیا میں آجکل ایک عام گھوڑ دوڑ کا تماشا ہورہا ہے۔ ہر گروہ کے شہسوار جوق جوق اس میں آتے ہیں اُن اپنے اپنے ہنر دکھاتے جاتے ہیں۔ کچھ اُن میں سے گجروں آتے ہی برق خالط کی طرح ایک ان اصدیں گزرتے کچھ اُن سے پیچھے پہنچے۔ کچھ راہ میں ہیں مگر افتاں و خیزاں چلے جاتے ہیں۔ کتنوں نے اپنے گھوڑوں کی ابھی باگ اٹھائی ہے۔ کتنے چلنے کی تیاری کہہ رہے ہیں۔ لیکن بہتروں کو ابھی گھوڑ دوڑ کی خبر بھی نہیں پہنچی اُنکے گھوڑے کھان پر بندھے ہیں۔ اور وہ خود آرام سے پڑے سوتے ہیں۔ شاید وہ اُس وقت بیدار ہونگے۔ جب گھوڑ دوڑ کا وقت نکلیا گیا اور وہ ماتھے ملتے رہ جاوینگے۔ اے مسلمانوں ہم کو خوف ہے کہ وہ ناکام گروہ کہیں تمہاری ہی قوم نہ ہو۔ اور وہ ماتھے جو ملے جائینگے تمہارے ہی ماتھے نہ ہوں +

اے مسلمانوں تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ جو شے تم کو ابھرنے نہیں دیتی وہ کیا ہے؟ اور جس کے سبب تم

جنہنہ نہیں کر سکتے وہ کون سی بندش ہے؟ یاد رکھو وہ تمہاری ہیودہ تقلید ہے جس نے تم کو مذہبی امور ہی میں مجبور اور بے اختیار نہیں کیا بلکہ تجارت میں - زراعت میں - علم و ہنر میں - حرفہ اور پیشہ میں - غرض ہر کام میں تمہاری عقلوں پر پردہ اور ہر راہ میں تمہارے پاؤں میں بیڑی ڈال رکھی ہے اور تم کو اس پر ند جانور کی طرح بے بس کر رکھا ہے جس کے پر کٹے ہیں اور آنکھیں سی ہوئی ہوں۔ نہ تم میں طاقت پر واز ہے نہ نگاہ دور بین ہے تقلید نے تم کو تمام دینی اور دنیوی ترقیوں سے فارغ البال کر رکھا ہے اور تمہارے کان میں یہ پھونک دیا ہے کہ جو کچھ کرنا تھا سوا گلے کر گئے اب اس سے زیادہ کرنا غیر ممکن ہے تمہارے نزدیک جس قطع کی کشتی طوفان فوج میں بنائی گئی تھی اس سے بہتر کوئی قطع انسان کے ذہن میں نہیں آ سکتی۔ اور جو پیشہ آج سے ہزار برس پہلے تھا بزرگوں نے اضمیار کیا تھا اس کے سوا کسی جید سے تم رومی نہیں کہہ سکتے تمہارے نزدیک تمام عقل انسانی پہلے طبفوں پر تقسیم ہو گئی اور انہوں نے تمہارے لئے کوئی موقع ایسا نہیں چھوڑا جس میں تم کو اپنی انسانیت کچھ کام لینے کی ضرورت پڑے۔ شیخ نے قانون میں ان انسان کی تشریح جو لکھدی - سولکھدی - اور محمد حسین دکنی برہان قاطع میں انہماق فارسی کی تحقیق جو کر گیا سو کر گیا۔ اب کون ہے جو قانون سے کچھ بڑھ کر لکھ سکے یا برہان میں کوئی عیب نکال سکے۔ تم صرف انہیں لوگوں کی تقلید نہیں کرتے جنکے ساتھ تم کو حسن عقیدت ہے بلکہ طبیب جالینوس کی منطق میں ارسطو کی ہندستان کی رسموں میں ہندوؤں کی تقلید کو بھی اسی قدر ضروری جانتے ہو جس قدر ہند ہیں امام اعظم کی تقلید تمہارے نزدیک واجب لازم ہے اگر کسی کو اس بات میں تاہل ہو تو نکاح بیوگان کے معاملہ میں غور کرے اور دیکھے کہ اس کا مجوز کون ہے اور مانع کون ہے اور ہندوستان کے عام سمانوں نے مجوز کے حکم کی تعمیل کی ہے یا مانع کا کتنا مانا ہے +

اس تقلید کی بدولت تم میں ایسا ورمض پیدا ہو گیا ہے جس نے تمہاری ہی سہی ہمت خاک میں ملا دی اور تم کو باطل اپاہج کر دیا۔ پوچھو وہ کیا ہے؟ وہ خاندان خراب و صنعاری ہے جس کی ہدایت تم ترقی کرنیوالوں کو متاؤن المزاج سمجھتے ہو اور ڈھور ڈانگروں کی طرح سد ایک حالت پر رہنے کو کمال نفس انسانی قرار دیتے ہو + ہندوستان کے وضع داروں کی یہ رائے ہے کہ آدمی اپنی زندگی میں جو طریقہ یا جو عادت اختیار کرے اس کو آخر عمر تک ترک کرنا نہیں چاہیے۔ جوانی میں اگر ڈاڑھی چڑھانیکی عادت ہو جائے تو سن شیخوخت تک اس وضع کو نباہنا ضرور ہے اور بچپن میں اگر کام آرٹوپی پسینے کا لپکا پڑ جائے تو بڑھاپے کے چھریائے چہرہ کو بھی اس سے محروم رکھنا نہیں چاہیے۔ چنانچہ معتبر راویوں سے سنا گیا ہے کہ وہ بزرگوار نجف خانی جن کا سن شریف ساٹھ پینسٹھ سے تجاوز ہو گیا تھا اور نہایت متقی اور متوجع آدمی تھے ہر جمعہ کو شاہ عبدالغریب صاحب مدرس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ شاہ صاحب بھی ان کی کمال تعظیم کرتے تھے۔ بائینہ تقدس مومن حضرات ڈاڑھی گھٹواتے تھے بعضے

مضمون فارقلیط اللہ

مباحثہ

نئی تہذیب اور پرانے خیالات کا

ایک دوست ایک اپنے قدیم دوست پاس آئے اور دیکھا کہ وہ قدیم دوست کسی قدر نئی تہذیب میں ہیں کچھ دن میں آزرہ ہوئے اور کہا کہ آج کل ہندوستان میں تہذیب کی کچھ بڑی معمول عام ہے کوئی کہتا ہے کہ پتلوں پہننا اور چھری کانٹے سے کھانا مزہ کر سی پڑھنا بہت بڑی تہذیب ہے اور بہت لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں بن اسلام کے برخلاف ہیں اپنے بزرگوں کے دستوروں کو چھوڑنا بہت بڑی بات ہے پھر فرمائیے تو کہ آپ کس رنگ میں ہیں +

جواب۔ آپنے اخلاق ناصری اور اخلاق جلالی ضرور ملاحظہ کی ہوگی اُس زمانہ میں علماء اسلام نے سکھائے یونان کے اقوال کو نہایت اچھا سمجھا تھا اور اُن کو اختیار کیا تھا اور جو کہ حکمائے یورپ کے اقوال اُن سے بھی عمدہ ہیں اس لئے اس زمانہ کے مسلمانوں کو لازم ہے کہ یورپ کے حکماء کے اقوال کی عزت کریں +

سوال۔ آپنے تہذیب کیا معنی سمجھے ہیں +

جواب۔ وہی جو اخلاق جلالی اور اخلاق ناصری میں لکھے ہیں یعنی سیاست نفس سیاست منزل سیاست مدن۔ مگر متافرق ہے کہ اُس زمانہ کے لوگوں نے لکھا پر کیا کچھ نہیں یورپ کی قوموں نے ان تینوں باتوں کو بدرجہ کمال پہنچا دیا +

سوال۔ کیا تہذیب انگریزی بوٹ اور کالا کوٹ ہی پہننے میں ہے جس پر لوگ ہنستے ہیں اور بڑا کہتے ہیں +

جواب۔ پہننا تو ایک حماقت کی بات ہے مگر سمجھنا چاہئے کہ ہر ایک چیز کی جدا جدا تہذیب ہے لباس اور روزمرہ کے، ستورات کی تہذیب، منزلہ الف بنے کے ہے اگر یہ شروع نہ ہو تو سبق تہذیب کا آگے چل نہیں سکتا +
 مینے جو یہ کہا کہ ہر ایک چیز کی جدا تہذیب ہے اس کی چند مثالیں سنو۔ ہندوستان میں پہلے سب آدمی مٹی کے چراغ میں تیل ڈال کر طاق میں رکھتے تھے جس سے طاق چکنا اور دیوار کالی ہوتی تھی ہزاروں مینگے اُس میں جھنک رہ جاتے تھے اُس میں تہذیب ہوئی اور لکڑی کا دیوٹ بنایا گیا طاق کا چکنا ہونا اور دیوار کا کانا ہونا تو

موقوف ہوا گریوٹ ایک ایسی بیڈول چیز تھی جس پر سیروں جیکٹ جم جاتا تھا ہزاروں جانور چمٹ کر مچاتے تھے جب اٹھا کر دوسری جگہ لپکاؤ تو ماتھے کالا اور چکنا ہو جاتا تھا پھر اُس میں بھی تندیب ہوئی کہ پتیل کا ڈیوٹ بنایا اور قتل سوز اُس کا نام رکھا اُس میں بھی وہ سب نقص نور ہے مگر اتنا ہوا کہ آٹھویں دسویں روز سبقتہ والے گھروں میں بھول ڈالکر اور بانجھ کر صاف کر لیتے تھے اب حکماء یورپ نے اُس کی نور زیادہ تندیب کی لٹپ نکالا جس کا تیل سب چھپا ہوا ہے۔ ایک کُل کے ہلانے سے بتی اوپتے چڑھاتر آتی ہے پھر روشنی کی چیزیں ترقی کی کراسین کا تیل نکالا جس میں مطلق چکنا ئی نہیں پھر اُس سے بھی بڑھ کر گاس نکالی کہ وہ صرف ایک ایسی ہوا ہے جو نظر بھی آتی ہے مگر نہایت عمدہ بغیر تیل بتی کے جلتی ہے اور اب ایک اور قسم کی روشنی نکلتی ہے جو ان سب سے بڑھ کر ہے پس یہ تمام مجھے جو میں نے بتائے چراغ کی تندیب کے تھے اگر ہمارے ملک کے لوگوں سے کہا جانا کہ چراغ میں تندیب کرو تو وہ اپنی نادانی سے ہنستے اور کہتے کہ چراغ میں کیا تندیب ہوگی تندیب کی باتیں تو اور ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی احمق ہیں جو یہ بات کہتے ہیں کہ لباس۔ نشست برخواست میں۔ کھانے پینے میں کیا تندیب ہے۔ تندیب کی باتیں تو اور ہیں +

دیکھو ہندوستان میں بیٹھنے کی چیز پڑھتی تھی۔ کرسیاں اور کپڑے اُس کی تندیب ہیں چمڑے کی جلدانی تمام ہندوستان میں عمدہ چیز لگنی جاتی تھی۔ اب چمڑے کے کپس اور انواع و اقسام کے بوٹے مینتو اور بیگ اُس کی تندیب ہے کاٹ کے صندوق سب استعمال کرتے تھے اُس کی تندیب خانوں و الماری ہے جس میں سب علیحدہ علیحدہ احتیاط سے رہتی ہے +

ہندوستان میں ٹوڑہ دار صندوق اور اخیر کو پتھر کلا کے شیرچہ تھے۔ اب دیکھئے کہ اُس کی تندیب ہو کر کیسی کیسی عمدہ بندوقیں اور عجیب و غریب ٹپنے ایجاد ہوئے ہیں اپنے پندی کی طرف سے بھرتی والی بندوقیں دیکھیں جن کا کارتوس خود آتا جاتا ہے اور چھوٹنے کے بعد خود گر پڑتا ہے اور بغیر رنجاک اور پٹاخہ لگائے چل جاتا ہے + آپ ہندوستانی گاڑی اور کیکہ ورتھ پر ضرور سوار ہوئے ہیں جس میں بھی تیل ہل جاتا ہے اُس کی تندیب بھی وچرٹ ہے اور اس وقت ریل سب سے اعلیٰ اُن کی تندیب کا درجہ ہے پس اُن کا مذہب چیزوں کا استعمال تندیب ہے یا مذہب چیزوں کا +

سوال۔ بیشک اُن تندیب یافتہ چیزوں کا استعمال تندیب میں داخل ہے اور روز بروز تمام قوموں میں اور مسلمانوں میں اُن کا استعمال ہوتا جاتا ہے مگر بوٹ اور کوٹ پتلون پہنا اور مین کرسی پر چھری کانٹے سے کھانا خاص انگریزوں کا دستور ہے ہم کو اُن کی تقلید کرنی کیا ضرور ہے جناب یہ غیر خدا صلعم نے چھری کانٹے سے مینر پٹیکر نہیں کھایا علاوہ اس کے جو لوگ ایسا کرتے ہیں اُن کی نسبت علماء من قسبہ بقوہ کی بیل

سے کفر کا فتوے دیتے ہیں +

جواب۔ آپ نے تو بہت سی باتیں گڈ مڈ کر دیں مگر سب کا الگ الگ جواب سنئے +

انگریز اس دلیل سے تو میز کر سی پر کانٹے چھری سے نہیں کھاتے کہ حضرت عیسیٰ یا حواریں نے اس طرح پر کھایا ہے پھر آپ کیوں دنیاوی برتاؤ کی باتوں میں جناب سؤل خدا صلعم کا ذکر لاتے ہیں جو حالت اور طریقہ زندگی اور گذر اوقات اور کھانے پینے کا جناب سؤل خدا صلعم کا تھا وہ کسی کا ہے جو کچھ چیزیں آپ کھاتے ہیں اور پنتے ہیں اور ڈوری سے کھنچے ہوئے پٹنگ پر سوتے ہیں اور چار چار جھالہ واز کیہ اور دھراؤ دھرتے ہیں اور دو دو گل کیلاس پر فرید ہیں ان بات پان بازی ہوتی ہے۔ وہ گوشتا پلاؤ نوش ہوتا ہے۔ کبھی جناب سؤل خدا صلعم نے بھی ایسا کیا ہے پس ایسی باتوں میں اُن حضرت صلعم کا نام مبارک لیتے ہوئے ہم کو شرم کرنی چاہئے۔ ہمارا منہ اس لائق نہیں ہے۔ یہ سب امور دنیاوی ہیں عقل و حکمت سے علافہ رکھتے ہیں دین مذہب اُن کو کچھ تعلق نہیں ہے ہم کب کہتے ہیں کہ تم انگریزوں کی تقلید کرو بلکہ دنیاوی باتوں میں جو عقل کے نزدیک بہتر ہو اُس پر چلو +

آپ اور تمام ہندوستان کے لوگ انگریزوں کا بنایا ہوا کپڑا پہنتے ہیں کیونکہ وہ نہایت عمدہ ہوتا ہے لباس سے دینیزیں متعلق ہیں۔ ایک کپڑے کی عمدگی جس کا لباس بنایا جاوے دوسرے لباس کی قطع۔ پہلی بات کو تو آپ قبول کرتے ہیں کہ انگریزی کپڑے سے بہتر کپڑا نہیں مگر انگریزی لباس کی جو قطع ہے اُس سے بہتر کوئی قطع بھی نہیں جس طرح کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے بدن کو بنایا ہے اُسی طرح انگریزی لباس کی قطع ہے اور یہی سبب ہے کہ انگریزی لباس ہر عضو کے موافق اور بدن میں ٹھیک دچست ہوتا ہے برخلاف ہندوستانی لباس کے کہ ایک اس کی قطع بھی اعضا بدن کے موافق نہیں ہے پس اس طرح پر لباس کی قطع کرنا بھی ایک صنعت ہے۔ جس طرح کہ ہزاروں آدمی کپڑے کی صنعت کو پسند کرتے ہیں اسی طرح بہت آدمی قطع کی صنعت کو بھی پسند کرتے ہیں +

یہاں تک گفتگو ہوئی تھی کہ عجیب صاحب خانہ نے ایک کتاب اٹھائی اور لکھو لکھو دیکھا یا کہ یہ تصویر سلطان عبدالعزیز خاں مرحوم قیصر روم کی ہے اور یہ تصویر نکلس شہنشاہ روس کی ہے۔ اب بتاؤ کہ ان دونوں کے لباس میں کیا فرق ہے۔ چند صفو الٹا کر سلطان عبدالعزیز خاں سلطان حال کی تصویر دکھائی۔ یہ تصویر اُس وقت کی تھی جب وہ لندن گئے تھے پھر ایک ورق الٹ کر اسماعیل پاشا خدیو مصر کی تصویر دکھائی۔ پھر عبدالسلام پادشاہ مراکو کی تصویر دکھائی کہ سب انگریزی قطع کا لباس کوٹ پہنیں پئے ہوئے ہیں اور کہا اب تمام مسلمان ملکوں کے سرداروں اور امیروں نے یہی لباس اختیار کیا ہے۔ یہ سب کافر ہیں۔ نفوذ باللہ +

ایک اور صاحب جو وہاں بیٹھے ہوئے چپکے چپکے باتیں سن رہے تھے بول اٹھے کہ صاحب جس حالت میں

سلطان روم اور تمام مسلمانان بادشاہ اور اُن کے امراء اور وزرا ایسا لباس پہنتے ہیں جہاں بڑے بڑے علما بھی موجود ہیں اور خود سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد سے فائق ہے تو اب اس میں بحث کرنا محض فضول ہے +

سوال۔ صاحب یہ سچ لکھ کر کیا کیجئے ہندوستان کے ملا تو من تشبہہ بقوہ کا فتوے دیکر

کافر بنائے دیتے ہیں +

جواب۔ جناب یہ مانیں ہیں بلکہ کٹھ ملاں ہیں یہ ترجمہ در مختار کا جس کو مولوی محمد احسن صاحب نے چھاپا ہے موجود ہے حنفی مذہب میں یہ کتاب نہایت معتبر ہے اور اسی پر حنفی مذہب کا مدار ہے اس کی جلد اول صفحہ ۸۲۵ میں یہ عبارت لکھی ہے۔ کہ ”مشابہ ہونا اہل کتاب سے ہر چیز میں مکروہ نہیں مثلاً کھانا اور پینا اور دوسری ضروریات مدنی مسلمانوں اور اہل کتاب کی یکساں ہیں تو مشابہت کچھ ہرج نہیں بلکہ بری بات میں مشابہت مکروہ ہے“ علاوہ اس کے احادیث شریف میں بھی آیا ہے۔ کہ جناب نمبر خدا صلعم نے اور ملکوں کا لباس پہنا ہے یعنی جبہ شامیہ اور جبہ رومیہ اور کسروانیہ اور قبائے فرنج جس کا پیچھے سے دامن چاک تھا زیب تن مبارک فرمایا ہے اور انہی دلیلوں سے علما و روم نے فتوے دیا ہے ہندوستان کے کٹھ ملا اگر تعصب اپنی آنکھیں بند کر لیں تو اس کا کیا علاج ہے بعد اس کے کتاب فتوح المصر اور فتوح الشام کو اُس میں لکھا تھا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ طمائی لباس حاکم بعدک کا پہنے ہوئے تھے پھر کیمیا نے سعادت نکالی اُس کے رکن سوم اہل دھرم میں لکھا ہوا تھا کہ جناب سلطان الانبیا صلعم کے واسطے کفار جو کپڑا پہن بھیجتے آپ اُسے بھی پہن لیتے صحابہ کبار بھی جو کپڑا کفار کی لوٹ میں پاتے بے تکلف پہن لیتے +

ایک صاحب حاضرین میں سے بول اُٹھے کہ جب ہندوستان کے بہت لوگ متفق ہو جاویں گے تب قدیم لباس چھوڑا جاوے گا ورنہ قدیم چال چھوڑنی لازم نہیں +

صاحب خانہ نے کہا کہ حضرت ہزار عاقل تو ایک بات پر متفق ہو جاتے ہیں مگر جاہل و دہی ایک بات پر متفق نہیں ہوتے ہندوستان میں تو بہات باطلہ بہت ہیں ممکن نہیں کہ ایک مدت پر گودہ کسی ہی اچھی ہو چند شخص متفق ہو جاویں ایک زمانہ تھا کہ کھڑکی دار پگڑی اور گھیر دار جامہ اور گھینٹہ جوتے کا رواج تھا پھر نیمہ بھی پہننے لگے اور رنگ برنگ کے چیرے اور پٹواں تیاں باندھنے لگے پھر دو پڑی ٹوپی اور چھ کلیا اُگر کھا اور غرارہ دار پاچا مر شروع ہوا کسی کپڑی نے یہ لباس نہیں شروع کیا تھا کسی ایک شخص نے اُس کو جاری کیا دیکھا دیکھی سب کرنے لگے مگر جو لوگ جامہ اور نیمہ پہننے کے عادی تھے وہ ان لوگوں کو

۱۔ اس مباحثہ کے وقت سید احمد خاں کے کسی دوست کی روح وہاں حاضر تھی وہ بول اُٹھی کہ اسی لئے بر تعلیق مسلمانان

سید احمد خاں نے بھی یہ لباس اختیار کیا ہے۔ ۱۲۔ مہتمم +

ہزاروں نام رکھتے تھے اور بُرا بھلا کہتے تھے پھر چند روز کے بعد انہیں جامہ پہننے والوں نے اُس لباس کو پہنا اور اُن کی ادا دہانے تو بالکل اُسی کو اختیار کر لیا اب اگر کوئی جامہ پہن کر نکلے تو لڑکے تالیاں بجا کر پیچھے پڑ جائیں۔ میرا لباس دیکھئے کہ اگرچہ ہندوستانی لباس سے کسی قدر فرق ہے مگر انگریزی قطع کا بھی نہیں ہے صرف قدیمی لباس میں کسی قدر ترمیم کی ہے خفتان ایک قدیمی لباس ہے اُس کا طول نصف قد کی برابر رکھتا ہوں کلیاں چوبغلہ بدستور ہندوستانی قطع کا ہے اکثر وہاں میں صدی کا ساز لگا ہوا ہے بعض میں بٹن ہیں اور بعض پیٹ دار ہیں دونوں طرف سینہ پر اور پشت پر دو اونچے چوڑی پیٹ ہے یہ خاص ترکوں کا ایجا وہ ہے اور کمر کی پٹی بھی ترکوں کا دستور ہے اور پاجامہ معمولی وضع کا ہے باریک کپڑہ۔ بسبب نفوذ کرنے سرد گرم ہوا کے انسان کے لئے مضر ہے اس لئے عفت کپڑا کی پوشاک بناتا ہوں جاڑے میں بانات اور کشمیرہ کا لباس پہنتا ہوں +

سوال۔ ہندوستان میں جو لباس مروج ہیں اُس میں کیا بُرائی ہے اور اُس میں تبدیل اور

تہذیب کی کیا ضرورت ہے +

جواب۔ آپ کو گاڑی اور رتھ کے بدلے چرٹ اور گھوڑی رکھنے اور ڈیوٹ اور قتل سوز کے بدلے لمپ اور فانوس جلانے کی کیا ضرورت ہے صرف اُن کی عمرگی کے سبب تبدیل کی گئی ہے پس لباس کے تبدیل کرنے کی بھی ضرورت ہے ڈھیلے لباس آدمی کو چست نہیں رکھتا اور جاڑے میں ضائی یاد و سالہ میں لپٹ کر آدمی نہیں رہتا بلکہ ایک گھڑی ہو جاتا ہے +

مہمان نے کہا کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ اونچا لباس اور چست سب طرح سے اچھا ہوتا ہے۔ سواری شکاری میں بھی فائدہ دیتا ہے مگر یہ تو فرمایے کہ چھری کانٹے سے کھانے کی کیا ضرورت ہے بلکہ خلاف سنت ہے اور ہاتھ سے کھانا سنت ہے +

جواب۔ ہاتھ سے کھانا سنت موکدہ نہیں ہے جس کے ترک میں گناہ ہوا آپ ہزاروں کام سنت موکدہ کے خلاف کرتے ہیں اور کچھ خیال بھی نہیں کرتے مگر ہاتھ سے کھانے کی سنت آپ کو یاد ہے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں چالیس چالیس روز تک چھوڑا اور پانی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ جنگی بغیر جھنڈے کی روٹی اکثر نوش فرماتے تھے مگر آپ روزمرہ قورمہ اور پلاؤ اور تنجن بریانی مرغ فریونی وغیرہ مرغ سے مرغین کھانے نوش فرماتے تھے ہیں کبھی مسنون کھانا کھانے کا خیال نہیں آتا مگر کھانے کے مسنون طریقہ پر بحث ہوتی ہے اور وہی ٹھیک مثل آپ پر صادق آتی ہے جو حامی اسلام سید احمد خاں نے لکھی ہے کہ کھانے فرعون اور طریقہ مسنون ایک طرف دس انگریز اور ایک طرف

دس مسلمان اور ایک طرف دس ہندو کھانا کھانے کو بٹھا دو کہ اپنے اپنے طریق پر کھاویں اور تمہارے دل میں جو باتیں سمائی ہوئی ہیں اُن کو تھوڑی دیر کے واسطے علیحدہ طاق میں رکھ دو اور مورخوں کی آنکھ سے بلا تعصب دیکھو کہ تینوں قوموں میں سے کس کے طریقہ میں نفاست اور صفائی ہے میرے تین دوست ایک انگریز کے یہاں کھانا ہوئے ایک اُن میں سے سرگھٹے ہوئے مولوی صاحب بھی تھے انگریز اپنی میز کرسی پر اور یہ تینوں اُن کے سامنے فرش پر بیٹھے اور کھانا کھانا شروع کیا مولوی صاحب کے ہاتھوں پر شور بابر بنے لگا اور وہ بار بار چاٹنے لگے یہ دیکھ کر وہ انگریز پہلے تو ہنسنا آخر اُس کو اس قدر گھن آئی کہ کھانا چھوڑ کر کمرہ سے باہر نکل گیا جیسا آپ ہندوؤں کو ننگے بن چکے میں بیٹھا دیکھ کر اُن کی طرز خویش پر حقارت سے ہنستے ہیں ایسا ہی انگریز ہم لوگوں کے کھانے کے طریقہ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور اُس پر ہنستے ہیں اور کھانے والوں کو گنوار کہتے ہیں +

کھانا نے کیا یہ تو اپنے سچ فرمایا کیونکہ جب کئی مسلمان باہم کھانا کھانے بیٹھتے ہیں۔ تو اُن میں سے بعض ایسے غلیچے پن سے کھاتے ہیں جس کو دیکھ کر نفرت آتی ہے۔ انگلیاں شوربہ سے بھرتی جاتی ہیں اور وہ چاٹتے جاتے ہیں پلاؤ میں شوربہ ہاتھ سے ملاتے ہیں اور اُسی تھڑے ہوئے ہاتھ سے اُس کو کھانے میں چاروں انگلیوں سے فرنی کے سر پہ بھرتے ہیں جی تو چاہتا ہے کہ میں بھی چھری کا نٹے سے کھایا کروں مگر لوگوں کے برا کمنے سے ڈر گنا ہے +

جواب۔ یہ آپ کا خیالی ڈر ہے لوگوں کا یہ دستور ہے کہ پہلے تو ایک شخص پر ہنسنا کرتے ہیں اور پھر آپ بھی دیسے ہی ہو جاتے ہیں +

سوال۔ انگریزوں کے ساتھ کھانا کھانا کیسا ہے +

جواب۔ انگریزوں کے ساتھ کھانا کھانا خدا اور رسول کے حکم سے جائز ہے قرآن شریف میں صاف حکم موجود ہے۔ طعام الذین اوتوا الكتاب حل لکھ اور خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مساقہ زینب بیوہ کی دعوت کھائی جس نے گوشت میں زہر ملایا تھا چنانچہ اُس زہر کے اثر نے بہت سی تکلیف جناب رسالت مآب کو دی اور بھی یہودیوں نے دعوت کی ہے اور آنحضرت صلعم نے قبول فرمائی ہے اور جب کبھی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اپنے عہد خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل کتاب یعنی یہود یا نصاریٰ سے صلح کرتے تو شرائط صلح میں یہ شرط بھی اُن سے قبول کرتے کہ جو کوئی مسلمان اُن کے یہاں جہاڑے اُس کی دعوت اور دعوت کیا کریں حضرت ابو بکر صدیق نے عہد خلافت میں جب عا طیب بطور ایلمی کے مقوقس بادشاہ مصر کے پاس گئے جو نصرانی تھا اور دسترخوان بچھا یا گیا اور اُس پر سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا چنایا گیا اور سب کھانے پر بیٹھے تو حضرت عا طیب

کہا گیا کہ تم بھی کھانے میں شریک ہو انہوں نے انکار کیا تب بادشاہ نے مسکرا کر کہا کہ میں جانتا ہوں جو تم پر حلال ہے اس لئے سوائے گوشت پرندوں کے کوئی اور چیز حرام ہم تم کو نہ کھلاؤ گئے عا طیب نے جواب دیا کہ میں سونے چاندی کے برتنوں میں نہیں کھاتا اللہ تعالیٰ نے اُن کا وعدہ ہم سے جنت میں کیا ہے پس اہل دُیائوں نے کھانا مٹی کے برتنوں میں اور حضرت عا طیبؓ کھایا اور ہمیشہ سے ہمارے سلطان روم اور خلیفہ مصر اور شاہ ایران اور اُن کے امراء اور رعایا ہر کوئی اہل کتاب یعنی انہیں انگریزوں اور یہودیوں کے ساتھ کھاتے ہیں اور کچھ پرہیز نہیں کرتے +

سوال۔ اہل کتاب اس زمانہ میں سورہ کا گوشت کھاتے ہیں اور شراب پیتے ہیں تو پھر کیونکر ہم اُن کے ساتھ کھا سکتے ہیں +

جواب۔ یہ کوئی بات نہیں ہے اہل کتاب اُن چیزوں کا استعمال پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کرتے تھے اور اُن کے استعمال کی وجہ سے اُن کے ساتھ حلال چیزوں کا کھانا جائز نہ ہوتا تو قرآن شریف میں اُن کے کھانے کی حلت کا حکم نازل نہ ہوتا اور جنابِ سالت ماب کبھی کسی یہودی یا نصرانی کی دعوت قبول نہ فرماتے اب ہندوستان میں بھی جاٹ وغیرہ بعض ہندو قومیں سور کھاتی ہیں اور کالی تھ کثرت سے شراب پیتے ہیں اور ہندو گائے کا پیشاب بھی پاک سمجھ کر پی لیتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مسلمان اُنکے گھر کا دروازے کاٹھ کا پکا ہوا کھانا کھانے میں کچھ بھی کراہت نہیں کرتا +

سوال۔ میں نے سنا ہے کہ جو تپہ پینے نماز پڑھنا گناہ ہے اور آپ بوٹ پینے بیٹھے ہیں کیا اسی طرح آپ نماز بھی پڑھ لیتے ہیں۔ آپ نے کس سے سنا ہے کہ جو تپہ پینے نماز پڑھنا منع اور گناہ ہے۔ لوگوں کی زبانی سنا ہے +

جواب۔ آپ نے رواجی مسلمانوں کی زبانی سنا ہوگا جو احکام دین پر رسم کو رواج کو مقدم سمجھتے ہیں اور غنائیں صاف لکھا ہے مسجد میں جانے والے کو چاہئے کہ اپنے جوتہ کو دیکھ بھال لے کہ کہیں نجاست کے آلودہ تو نہیں ہے اور جوتہ اور موزہ پنکر نماز پڑھنا بشرطیکہ وہ ظاہر ہوں افضل ہے اور وجہ فضیلت کی یہ ہے کہ طہرائی نے ایک حدیث اس مضمون کی روایت کی ہے کہ جوتوں کو پنکر نماز پڑھو اور بیو کی مشابہت مت کرو یا شامی نے البتہ لکھا ہے کہ جوتا پنکر مسجد میں جانا اس لئے کہ عرف میں داخل ہے ادنیٰ ہے اور سجدے فرش کی آلودگی کا خوف ہے مگر یہ فرمایئے کہ جناب پیغمبر خدا صلعم کا حکم واجب التعیل ہے یا شامی اور عراقی کا شامی وغنائ کا شامی ہے اگر اُس نے اپنی رائے یا زمانہ کا دستور رکھ دیا تو وہ اہل شریعت کا حکم نہیں ہو سکتا اس دستور کے قایم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جناب پیغمبر صاحب کے زمانہ میں عرب میں فرش بچھانے کا دستور نہ تھا مگر جب مسلمان

عرب باہر نکلے اور شام اور مصر اور ایران فتح کیا تو اپنی پرانی طرز معیشت کو چھوڑ کر اچھے لباس پہننے اور عمدہ فرش مکانوں میں پچھلے لگے اُس فرش کو صاف رکھنے کے لحاظ سے پیادہ پھرنے کے بعد جو اُتار کر فرش پر آنے اور بیٹھنے کا دستور ہو گیا وہی دستور مسجد میں بھی جاری ہو گیا مگر خلفائے بنی اُسیہ کے ہاں اس کا رواج نہیں ہوا انکے روبرو جو تالیاموزہ اُتار کر جانابے ادبی میں داخل تھا مجھ کو آپ دیکھتے ہیں کہ اس کمرہ میں فرش ہے اور تالین بھی پچھا ہے جس پر میں بوٹ پہنے بیٹھا ہوں جب نماز کا وقت آتا ہے تو اسی طرح بوٹ پہنے ہوئے نماز پڑھ لیتا ہوں +

مہمان نے کہا اب مجھ کو یقین ہوا کہ جو کچھ عرف عام میں مشہور ہے محض غلط ہے اور وجہ اس غلطی کی یہی ہے کہ لوگ علم دین سے ناواقف ہیں تو ہمت میں پھنسے ہوئے ہیں مگر اب اکثر کتابیں اردو میں ہوتی جاتی ہیں تو مولوی صاحب کی بھی ضرورت گھٹتی جاتی ہے اب تو میں بھی ایسا ہی کروں گا کہ مکان پر جو تالیاموزہ نماز پڑھا کروں گا لیکن مسجد میں رعایت علم کی وجہ سے جو تالیاموزہ دیا کروں گا تاکہ جاہل نہ کر سکیں میں نے کہا کہ بعض ناخاندانہ جاہل اس قدر متعصب نہیں ہوتے جس قدر کہ لکھے پڑھے جاہل متعصب ہوتے ہیں +

سوال۔ یہ تو فرمائیے کہ انگریز مذہب اور ہندوستانی نامذہب کیوں کہلاتے ہیں +

جواب۔ اس بات کی تحقیق نہایت آسان ہے ایک ایسے انگریز اور ہندوستانی کے گھر میں جا کر دیکھو جو یکساں عمدہ رکھتے ہوں یا برابر تنخواہ پاتے ہوں تو تم انگریز کے بنگلہ میں دیکھو گے کہ بنگلہ کے تمام اطراف نہایت صاف ہیں احاطہ کے دروازہ سے برائڈہ لک عمدہ سڑک بنی ہوئی ہے ایک چھوٹا سا چمن لگا ہوا اور خوش نما روشیں اور پٹریاں ہیں بنگلہ کے اندر ہر کمرہ میں نہایت صاف اور اچھا فرش پچھا ہے۔ جس غرض کے لئے جو کمرہ ہے اُس میں اُسی قسم کا ساز و سامان مہیا ہے میزیں اور کرسیاں اور الماریاں اور شیشہ آلات سب اپنے اپنے موقع سے سجی ہیں بچہ اور ان کی آیا نہایت صاف اور اُجلا لباس پہنتے ہیں کھانے کے وقت کھانے کی میز نہایت خوشنما اور صفائی سے آراستہ ہوگی جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے خانہ ماں۔ خدمتگار۔ کوچان یہاں تک کہ سائیں اور خاک رو بہ تک لباس اور روی سے ٹھیکہ اور درست ہونگے ہتھیار اور سواری غرض کہ ہر ایک چیز نہایت نفیس اور صاف ہوگی اور ہندوستانی کے یہاں ہر چیز عکس اسکے خراب اور سیلی اور اتر پڑاؤ گے جس کی تفصیل کرنا مناسب نہیں +

سوال۔ یہ تو آپ صمیم فرمایا انگریز نہایت صفائی سے عمدہ طرز پر رہتے ہیں مگر یاد دنیا کی زندگی کا لطف انہیں کون

مال ہے مگر یہ تو فرمائیے کہ ہندوستانی انگریزوں کو دیکھتے ہیں پھر کیوں نہیں صفائی سے زندگی بسر کرتے +

جواب۔ خدا تعالیٰ نے انسان میں ایک قسم کی خود بینی پیدا کی ہے جس کے سبب ہر ایک شخص اپنی

ہر ایک بات کو گو وہ کیسی ہی بڑی کیوں نہ ہو پسند کرتا ہے اور دوسروں کی باتوں کو گو وہ کیسی ہی اچھی کیوں ہوں۔ اچھی نہیں جانتا دیکھو جیسی اپنے کالے رنگ موٹے ہونٹ بھیڑکے سے بالوں کو عمدہ اور خوبصورت سمجھتا ہے میں آپ کو ایک مثال سے اسی بات کو سمجھاتا ہوں آپ قوم صیر کے لوگوں کے پاس جلیے جو بالکل غیر منہب بلکہ وحشی ہیں اور ان کو سمجھائیے کہ تم بھوس کے نہایت خراب جھونپڑوں میں رہتے ہو ایک لنگوٹی باندھے ہو اسباب خانہ داری تمہارا نہایت خراب سے زمین پر پھسکا مار کر بیٹھے ہو اس سبب تمہارا بدن میلہ ہے تم کو چاہئے اچھا مکان بناؤ اچھے کپڑے پہنو اپنی اولاد کو علم پڑھاؤ پاک صاف رہو تو وہ لوگ آپ کی ان باتوں کی نہی اڑا دینگے اور سمجھینگے کہ آپ کو جنون ہو گیا ہے اور یہ جواب دینگے کہ ہماری موجودہ حالت بزرگوں سے ایسی ہی علی آتی ہے یہی بہت اچھی ہے اگر آپ ان کی طرز معیشت اور دستوروں کی کچھ برائیاں بیان کریں گے تو آپ کو دھکے اور گالیاں دیکر نکال دینگے کچھ بھی نہیں سنیں گے مگر انہیں میں سے ایک نوجوان ٹھیکر پولیس میں کانسٹیبل مقرر کر دو اور اس کو اردو لکھنا پڑھنا حسب دستور پولیس کے سکھاؤ تو اس کو وردی کے پہنے پہنے سے چند روز میں ننگے پھرنے کی عادت چھوٹ جاوے گی اور کچھ ضابطہ فوجداری بھی یاد کر لیگا اسکے بعد وہ ہیڈ ہو جائے یہاں تک کہ انسپکٹری کے عہدہ پر ترقی پائے اور کچھ انگریزی پڑھ لے تب اس سے آپ دریافت کریں کہ جب ہم تمہارے گھر تم کو سمجھانے گئے تھے تو تم اور تمہارے بھائی برادر اپنی موجودہ حالت کو اچھا بتاتے تھے اور اب تم عمدہ لباس پہنے ہو عمدہ اسباب رکھتے ہو عمدہ مکان میں رہتے ہو اور اب کو کیا کہتے ہو تو آپ یقین فرمادیں کہ وہ ضرور کہیگا کہ مجھ کو اس وقت عقل اور تیز رفتاری میرے اہل برادری سب حلق اور جاہل ہیں وہ حالت کسی طرح اچھی نہیں ہو سکتی عمدہ حالت یہی ہے جو اب میری ہے اب میرا ارادہ ہے کہ مال کا قانون یاد کر کے تحصیلدار کا امتحان دوں صاحب کلکٹر میری کارگزاری سے نہایت خوش ہیں فوراً تحصیلدار کر دینگے۔ اور امید قوی ہے کہ پھر چند روز میں ڈپٹی کلکٹر ہو جاؤں گا۔

معان نے کہا کہ نے واقعہ یہ مثال تو اپنے بہت ہی ٹھیک بیان کی بیشک یہ جہالت اور نادانی کا سبب ہے جنہم اچھی باتوں کے حاصل کرنے سے انکار کرتے ہیں اور اپنی موجودہ خراب حالت کو اچھا جانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ تمام مسلمان ترک روم اور شام اور مصر اور تونس وغیرہ کے مدت بیدار ہو چکے ہیں اور ملکوں کے مسلمان بھی بیدار ہوتے جاتے ہیں مگر ہندوستان کے مسلمانوں کا حال کمال افسوس کے قابل ہے کہ خواب غفلت میں پکی نیند میں پاؤں پھیلائے سوتے ہیں یہ تہذیب الاخلاق ان کو جگاتا ہے مگر جیسے سوتا ہوا غافل آدمی جگانے والے سے ناراض ہو کر لاتیں مارتا ہے براتا ہے اُنکے بھی جو کچھ منہ میں آتا ہے کہتے ہیں مگر آنکھیں نہیں کھولتے ہاں جن لوگوں کی نیند بہت غفلت کی نہیں بنتی وہ بیدار ہو کر کوشش کرنے لگے ہیں اور انہوں کو جگاتے ہیں۔

مضمون مولیٰ محمد ذکاء اللہ صاحب

ریو لو

منشی محمد ذکاء اللہ صاحب کا لکھا ہوا

کیا مبارک دن عید کا یکم شوال ۱۳۱۱ھ نبوی اور ۱۲۳۱ھ ہجری تھا کہ ایک انشمند باغبان نے اپنے دست مبارک سے ہماری قوم کے لئے اس سرزمین ہند میں تہذیب الاخلاق کا وسیع بویا کہ پہلے کبھی نہ بویا گیا تھا اور اُس کی آبپاری ایسی جانفتنی سے کی کہ وہ جلدی سے زمین میں سے پھوٹا اور سبز کوئلیں اور ہرے پتے جھوٹ پٹ نکل آئے۔ اُدھر سگ نے کھل کر گُل ہوئے اُدھر ہزاروں مبلوں کے جگمگاتے اُس پر جمع ہوئے۔ اور اُنہوں نے اپنے شیریں نمنوں کا ایسا شور اور غلغلہ مچایا کہ وہ لوگ جو خواب غفلت میں ایسے پڑے سوتے تھے کہ خواب بھی نہیں دیکھتے تھے جاگ اُٹھے اور اس نغمہ سرود سرائی کے سُسنے میں ایسے دل جان سے مصروف ہوئے کہ پھر اُن کو خواب غفلت نہ آیا۔ اُدھر کانوں کے لطف کا یہ سامان ہو رہا ہی تھا کہ اُدھر زبان کی چکھوتیوں کے لئے اُس درخت کے نورس پھل بھی آ موجود ہوئے ان پھلوں میں ہر ذرہ تھا کہ جن کی زبان کا ذائقہ برسوں سے بگڑا ہوا تھا اُن کو بھی ایسی لذت آتی تھی کہ کبھی اُن کا جی نہ بھرتا تھا یہ سب کچھ تھا مگر جس سرزمین میں یہ درخت لگا تھا وہ تھیرلی تھی اور وہاں صرصر اور طوفان باد بھی اکثر آیا کرتے تھے۔ اس لئے درخت کے سرسبز اور شاداب کھنہ میں باغبان کو مشقت شادہ اٹھانی پڑتی تھی مہر وقت تردد اور تفکر رہتا تھا کہ کسی طوفان کے جھٹکے میں میرا یہ پلا پلا یا نہ نہال نہ آجائے آخر کار اپنی تجربہ کار و پیرانہ سال و راندیشی سے باغبان کو یہ خیال آیا کہ میں کب تک اس پتھریلی زمین میں اپنے درخت کو تر و تازہ اور سیراب رکھوں گا اور طوفان باد سے بچانے کے لئے جیوں گا۔ بہتر ہے کہ میں خود ہی اس درخت کو جڑ سے اُکھیڑوں اور اُس کو سکھاؤں اور اُسکی نایاب لکڑی کو اپنی قوم میں تقسیم کر دوں اور وہ کاریگری اور صنایع تہذیب کہ جس سے نہایت کام کی خوبصورت چیزیں تراش تراش کر بنائیں اور اُس سے فائدہ اور خط اٹھائیں سولے اسکے درخت کے بیج بھی ایسے پھیل گئے ہیں کہ اور باغبان اُن کو لگا کر اپنی قوم کو اُس سے مستمع کرینگے غرض اُس نے یہ سوچ کر کہ اگر میں رہا تو کون اس لکڑی کی سڈول چیزیں بنانی سکھائیگا اسکے کاٹنے کا

قصہ کیا تاکہ جو درخت سے پورے فائے چل ہوتے ہیں وہ سب اُس کی قوم کو حامل ہوں غرض کہ خدا تعالیٰ
وہ دن کرے کہ یہ یاغبان اپنے منصوبوں کا ثمرہ دیکھے اور اپنے درخت کی لکڑی کی سٹول ترشی ہوئی چیزوں
سے اپنی قوم کو راستہ پادے جس وقت کہ یہ زلا بیج میاں بویا گیا تھا تو کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کا کیا رنگ
ہوگا اور وہ کیسے پھل پھول لایوگا اور کیسے سکوئے کھلاویگا۔ مگر اب تو وہ ماشار اللہ سات برس کا ہر ابھرا پھولا
پھلا درخت کھڑا ہے اہل نظر اُسکے برگ و بار کی کیفیت بتلا سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ اُس سے کیا گیا ثمر
پیدا ہوئے اور انہوں نے کن کن شیریں بانوں کے کام دمان کو شکر سے پُر کیا۔ اور کن تلخ کاموں کو خنظل
سے یا وہ کڑوی معلوم ہوئی۔ اُسکے رگ و ریشہ کس کس طور سے لوگوں کے دلوں میں پھیل کر مضبوط جڑ پکڑ گئے
اور اُسکی ڈالیاں کہاں کہاں پھیلیں۔ ان سب باتوں کے دیکھنے کی مجھے فرصت نہیں ہے مگر میں تو فقط
یہ دیکھتا ہوں کہ اُسکے سایہ تلے اُردو زبان کے علم اتنا نے کیوں نشوونما پایا۔ اور خیالات لوگوں کے کیونکر
اُسکے پھلوں کے کھانے سے پروردہ ہوئے۔ اگرچہ یہ وہ باتیں مختلف رنگ کی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر
حقیقت میں وہ ہر رنگ ہیں اس لئے کہ خیالات میں اور الفاظ میں ایک قدرتی پیوند ہے کہ وہ جدا نہیں
ہو سکتا۔ خیالات ہی الفاظ کو زبان سے نکالتے ہیں اور الفاظ ہی خیالات پیدا کرتے ہیں وہ ایک ہی
چیز ہے۔ کبھی داغ میں ہوتی ہے کبھی زبان میں۔ وہ زبان سے نکلتی ہے داغ میں جاتی ہے اور داغ سے نکلتی
ہے زبان پر آتی ہے۔ خلاصہ اس اوپر کی تقریر کا یہ ہے کہ ہر قوم کا علم ادب اور انشاء اُس قوم کے خیالات اور
اخلاق کا آئینہ ہوتا ہے۔ جب کوئی قوم پستی کے گڑھے میں گر جاتی ہے اور عیش و عشرت اور کاپی اور سستی
کے نشہ میں مست ہوتی ہے تو اُسکے سارے علم ادب میں بُری باتیں رچ جاتی ہیں۔ چنانچہ جب سے
ہندوستان میں اہل اسلام کا نزل شروع ہوا ہے تو ان کی زبان کے سارے علم ادب کی کتابوں میں سوائے
عاشقانہ غزلوں۔ واسوختوں۔ مدحیہ قصیدوں۔ ہجو کے قطعوں۔ بے سود قصہ و کہانیوں کی مثنویوں کے
کچھ اور نہیں۔ ساری ہمت شاعرانہ اور جود اور ذہانت طبع انہیں مضامین میں صرف ہوتی ہے۔ ان میں
انہیں میں تلاش مضمون ہوتی ہے۔ شاید کوئی کتاب نہ ملے اور رفت سے خالی ہوگی جس میں عورتوں کے طعنے
بیٹے اور لونڈوں کی کالم کلوج نہ ہوگی۔ جن کج خیالات خراب نوجوانوں کو ان مضامین میں لطف آجاتا ہے وہ تو
مجنون بن کر قیس و فرید کو بھی عشق بازی میں مات کرنا چاہتے ہیں۔ سوائے اُسکے اخلاق کے بد ہو جانے کے
سبب جن الفاظ کا مفہوم نیک بھی ہوتا ہے اُسکے لئے بھی معنی تازہ وہ گھڑ لئے جاتے ہیں کہ جن سے اُن کا
مفہوم بھی بد ہو جاتا ہے۔ ہزاروں الفاظ جن کے معنی ستھرے اور پاک تھے اس اخیر زمانہ میں غلیظ اور ناپاک
معنی میں متعل ہونے لگے۔ مثلاً بسینڈوں میں چنداں میں سے لکھی جاتی ہیں +

حضرت شیطان کو کہتے ہیں۔ ولی اللہ اور معصوم۔ یہ قوت اور سادہ لوح کہلاتے ہیں بہتر بھنگی کا نام ہے خلیفہ حجام اور درزی کا لقب ہے۔ پاکباز۔ سبزی چھاننے کی صافی کہلاتی ہے۔ مولوی پڑھے ہوئے جن کہلاتے ہیں۔ تہذیب الاخلاق کا نام۔ تخریب الاخلاق رکھا گیا ہے۔ اب اسکے دو سبب ہو سکتے ہیں کہ یا تو نکو کاری سے ایسی نفرت لوگوں کو ہو گئی ہے۔ کہ وہ الفاظ کے معنی متبرک اور مقدس کو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ یا ریا کاری اور مکاری ان میں ایسی بڑھ گئی ہے۔ کہ جو حضرت بنتے ہیں۔ وہ شیطان ہی ہونے ہیں۔ جو ولی اللہ اور معصوم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ احمق ہی ہوتے ہیں غرض اخلاق اور علم ادب کی ترقی اور تنزل ساتھ ساتھ ہوتی چلی آئی ہے۔ جو لوگ رموز زبان سے آشنا ہیں وہ ان باتوں کو خوب سمجھتے ہیں اب ہم بالتفصیل لکھتے ہیں کہ اس تہذیب الاخلاق نے ان دونوں باتوں میں کیا کیا اپنے اثر دکھائے اور ان کے کیا کیا اثرے اور نتیجے عمل میں آئے۔

اول۔ جو بڑا اُس نے کام کیا اور حقیقت میں وہ بڑا ہی کام ہے۔ وہ یہ ہے کہ مغربی خیالات کو مشرقی زبان میں اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ ان کی حسانت اصل سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ بعض فاضلوں کی یہ رائے ہے کہ اردو زبان میں یہ قابلیت ہی نہیں کہ مغربی خیالات اُس میں سمائیں اب اس پرچہ نے خود اس کام کو کر کے دکھلادیا۔ کہ مغربی خیالات خواہ کسی قسم کے ہوں وہ سب اردو زبان میں ادا ہو سکتے ہیں بشرطیکہ کوئی ادا کر نیوالا لائق اور قابل ہو سید احمد خاں صاحب میں ایک استعداد اور ملکہ خدا داد ایسا ہے کہ وہ ان مغربی خیالات کو اپنی زبان میں اُسی خوبی اور بے تکلفی سے ادا کرتے ہیں اور اپنی جودت طبع اور عالی دماغی سے کوئی اصلاح یا کوئی بات ایسی زیادہ کر دیتے ہیں کہ وہ مضمون مغربی زبان سے زیادہ ترشگفتہ اور متین ہو جاتا ہے مشرقی خیالات پہلے اپنے زمانہ میں ہی قدر و منزلت رکھتے تھے مگر آجکل وہ ذلیل اور ازل سمجھے جاتے ہیں اور اجیران معلوم ہوتے ہیں۔ جو ان میں مشغلہ رکھتے ہیں وہ اپنی حماقت کو بڑھاتے اور عقل کو گھٹاتے ہیں۔ اس لئے اس ملک میں بڑی ضرورت اس امر کی تھی کہ کوئی ذخیرہ مغربی خیالات کا ایسا جمع ہو کہ اُس سے سرمایہ دانش حاصل ہو سو اس چکر کی بدولت سادہ جلدیں جن کے قریب دو ہزار صفحہ ہونگے نہایت عمدہ کاغذ پرفیس ٹیپ کے چھاپہ کی موجود ہیں اور ان میں بہت سے مضمون خیالات مغربی سے بھرے ہوئے ہیں ان کے سبب ہندوستانی اخباروں کی اور خانگی خط و کتابت کی اور نو تصنیف کتابوں کی طرز تحریر میں بڑا فرق ہو گیا ہے۔ اب تک ہندی سے لوگ ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں اور بھاری بھاری لفظوں اور موئے موئے کلموں سے مضامین کی گردن نہیں توڑتے بیہودہ استعارات اور تشبیہات کی چھری سے اُردو کا خون نہیں کرتے۔ شمرکت الفاظ بے حشمت معنی نہیں دکھاتے۔ پہلے جو امر کے عادی تھے کہ الفاظ کے پھولوں کو اُسنوں نے گونٹھا گاٹھا۔ کبھی اُس کا سہرو

بنالیا کبھی مار کبھی بدھنی غرض وہی معمولی دس پانچ چیزیں بنائیں۔ کچھ دیر ان کو دیکھ کر دل خوش کر لیا اور کچھ خوشبو سونگھ کر دماغ کو مسطر کر لیا پھر تھوڑی دیر کے بعد دیکھا تو سوا اُس سٹری ہوئی بو کے کچھ نہ تھا غرض کہ لوگوں نے الفاظ کی لال مینا اُڑانی چھوڑ دی ہے اور مضمون نگاری پر توجہ کی ہے اور سیدھی سادی سلیس عبارت عام پسند اختیار کی ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا۔ کہ ہم کوئی اخبار یا خط یا کوئی کتاب ایسی نہ دیکھتے ہوں کہ اس پرچہ کی تحریر کا پر تو نظر نہ آتا ہو۔ بعض بر ملا اقرار کرتے ہیں کہ ہم سید احمد خانی تحریروں سے مستفیض اور مستفید ہوئے جو ایسے مضمون لکھتے ہیں۔ بعض ہٹ دھرمی کہتے ہیں۔ اگر کوئی میری تحریر میں کوئی خوبی بتلائے تو اُسے بھی کمدوں کہ میں نے وہ انہیں سے حاصل کی ہے۔ ایک گردہ ان تحریروں کا مخالف ہے۔ مگر قاعدہ ہے کہ جس وقت کوئی سچی اور سیدھی راہ پر رہنا ہی کرتا ہے تو گمراہ اس کے مخالف ہوتے ہیں۔ مگر آخر کار خود بھی اُسی پر چلنے لگتے ہیں۔ ہم کو یقین واثق ہو گیا ہے۔ کہ سب آخر کو اس پرچہ کی طرز تحریر کو اختیار کر لیں گے۔

دوسرا فائدہ۔ پہلے اس پرچہ کے نکلنے سے کوئی یہ بھی جانتا تھا کہ قوم کا مفہوم کیا ہے۔ اور وہ کیا ہوا کرتی ہے۔ قومی ہمدردی۔ قومی عزت۔ قومی محبت و مودت۔ قومی بھلائی۔ قومی خوشی۔ نہ یہ الفاظ خود اور نہ ان کے مترادف اور زبان میں موجود تھے کہ جن سے معلوم ہوتا کہ یہ بھی کوئی چیزیں یہاں کے انسانوں میں ہوتی ہیں۔ اس پرچہ کا کوئی نمبر کیا شاید کوئی مضمون خالی ان عمدہ باتوں سے نہیں۔ ان مضامین کے ادا کا سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا گیا اور اُس پر تاثیر زبان میں بلاغت اور فصاحت کے ساتھ ادا کیا گیا کہ وہ لوگوں کی خاطر نشان اور دل نشین ہو گئی۔ سیکڑوں دل اس قومی جوش سے بھر گئے اخباروں کے اخبار قومی مضامین سے پُر ہو گئے۔ خانگی خط و کتابت میں سلسلہ وارتخیز انہیں مضامین کی ہونے لگیں۔ کیس شریف اور بھلے مانس دس پانچ جمع نہ ہوتے ہونگے کہ وہاں اس قومی ہمدردی کا ذکر نہ کرتے ہونگے۔ کوئی ٹرین ایسی نہ ہوگی جو اس نوکر سے خالی جاتی ہوگی۔ اس پرچہ کے فقرے بہت سی ضرب الثلیس کج کے زمانہ میں بن گئیں۔ ہر کس دنا کس کے منہ پر وہ چڑھ گئیں۔ اور وہ قومی مقولے بن گئے جن کی حکومت لوگوں کے دلوں پر بادشاہوں کے فرمان سے زیادہ ہے جس انجمن کی تحریر و تقریر کو سنئے وہ گویا تندیب الاخلاق ہی کی نقل معلوم ہوتی ہے جس شخص نے کوئی کار خیر کسی مجمع میں کرنا چاہا اُس نے قومی مضمون کو چھیڑ دیا اور اُس کام کا سر نہ تمام خیر ہو گیا۔ آج کل اُسکے الفاظ اور فقرہوں نے وہ کام کیا ہے کہ بڑے بڑے آدمیوں سے ہونا مشکل تھا۔ جہاں جہاں ترکوں کے یتیموں اور بیواؤں اور زخمیوں کے لئے انجمن چندہ مرتب ہوئیں اور صاحبِ دل اور منصف تقریر کرنے

کے لئے کھڑا ہوا اور اُس نے اس پرچہ کے دو چار فقرے لفظاً یا معنایاً بیان کئے اور ہزاروں روپیہ کے توڑے بھرنے شروع ہوئے اور لاکھوں آنسو ٹپکنے لگے۔ جس وقت ہم اُس پر غور کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پرچہ نے فقط یہیں کے آدمیوں کو فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچایا۔ ہزاروں زخموں پر ہم رکھا سینکڑوں اندھوں کی آنکھوں کو روشنی پہنچائی۔ بہت بے دست پاؤں کو بادرست و پاکیا۔ مریضوں کو دوا کی۔ بھوکوں کو غذا دی۔ تنگوں کو پوشاک پہنائی۔ ورماندوں کو آسائش و آرام دیا۔ عورتوں کی عصمت و عزت کا محافظ بنایا۔ یتیموں کا مربی ہوا۔ اور کیا کیا لکھوں کہ اُس نے کیا کیا کیا انصاف کسی میں ہو تو دیکھ لے۔ آج کل جو مسلمان ترکوں کی خبروں کیلئے گلی گلی کوچے کوچے اُسی طرح پھر رہے ہیں جس طرح کہ بمبئی اور مدراس میں بھوکے روٹی کے لئے۔ اور ان کی ہزیمیت بچ اور ان کی نصرت سے مسرت کرتے ہیں۔ یہ بات کس نے سکھائی ہے کبھی کسی نے یہ قومی جوش پیدا کیا تھا۔ یہ سارا کام اسی پرچہ تہذیب الاخلاق کا ہے۔ جس وقت یہ قومی عزت و جوش و ہمدردی کا چرچا مسلمانوں میں اس پرچہ نے پھیلا یا تو ہمارے ہموطن بھائیوں ہندوؤں کو بھی اپنی قوم کا خیال پیدا ہوا اور انہوں نے مجلسیں اور جلسے ایسے جانے شروع کئے کہ جس سے قوم کی بھلائی ہو۔ اول انہوں نے اپنے مجمعوں میں سید احمد خاں کی جے پکار سی اور دہائی چائی کہ ہمارے ہم میں کوئی سید احمد خاں نہیں۔ چند روز کا عرصہ گزرا ہے کہ آباد میں ایک بڑے لائق عالم و فاضل پنڈت نے یہ بیان کیا کہ ہم مسلمانوں سے دولت میں کیسے یاد ہیں۔ علم میں بہت بڑھ کر ہیں۔ تعداد میں ان کو ہم سے کچھ نسبت نہیں۔ مگر ہمارے افسوس صد افسوس ہم میں سید احمد خاں کوئی نہیں۔ ایک ہم میں کیا سید احمد خاں نہیں۔ اگر ہم میں بھی تو بھی سید احمد خاں نہیں بن سکتے۔ اس بیان کو ایسی شد و مد کی آواز سے انہوں نے ارشاد کیا تھا کہ اب تک اُس کی تاثیر ہمارے کانوں سے نہیں گئی۔ اب آپ بتلائیے کہ اس مجلس غیر اسلام میں کس چیز نے اس اعزاز کے ساتھ نام سید احمد خاں کا کہلایا۔ وہ اسی پرچہ نے۔ سید کی تمام قومی ہمدردی کا اظہار اسی پرچہ کی بدولت ہو رہا ہے جو سچ بولتے ہیں اور سچ کو سمجھتے ہیں ان کے سامنے یوں ہی اور جو جھوٹ بولتے ہیں اور سچ کو شکل سے سمجھتے ہیں ان کے سامنے تم کھا کر میں یہ کہتا ہوں کہ قومی عزت۔ قومی ہمدردی۔ قومی محبت و مروت کے خیالات جو ہندوستان میں لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئے ہیں وہ سید احمد خاں ہی کے اقوال اور افعال سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان خیالات ہی کے پیدا ہونے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاید ہماری قوم کی فضل بہار آنے والی ہے۔

سو یکم۔ نیچر (فطرت) کے مضامین جو اس پرچہ میں درج ہوئے ان سے لوگوں نے جاننا کہ ہاں

مضمون نگاری اس کا نام ہے۔ جو بیان کہ دل کے اندر تاثیر کرنے کی قدرت رکھتا ہے وہ یہی ہے۔ انسان کے خیالات کے مخرج کو اور اُن سے جو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں اُنکے فرق کو بھی بتلاتا ہے۔ جذبات انسانی مصور بھی ہے۔ گو قافیہ سخنوں نے اپنی عادت کے موافق اول اول اُس کا قافیہ کیچڑ باندھ دیا تھا مگر تھوڑے دنوں بعد وہ سمجھ گئے کہ جو کچھ ہے یہی ہے پھر تو وہ بھی نظم میں نیچر کے میدان میں قدم کھنے لگے اور متان عشقیہ اور خیالیہ سے ہاتھ اٹھانے لگے۔ اس لفظ کو اول اول لوگوں نے اس پرچہ کی بدولت ہی سنا تھا۔ اس لئے پہلے تو گھبرائے مگر جب سمجھے کہ وہ کیا ہے اور اس کے سبب بیان میں کیا شگفتگی اور تاثیر پیدا ہوتی ہے تو پھر قایل ہو گئے۔ اور اُن اپنی بیہودہ تحریروں کو چھوڑنے لگے کہ جن کے اندر دو صفحے کیا دو سطریں بھی نہ ہوتی تھیں۔ کہ ایک ان نیچرل (برخلاف فطرت) کوئی مضمون نہ ہو سینکڑوں آدمی ایسے ہو گئے ہیں۔ کہ ایسے مضامین سے اُن کو عتیاں ہوتا ہے نوجوان تو کبھی اپنی طرز تحریر کو چھوڑیں گے لیکن بوڑھے مجبور ہیں۔ کہ وہ کیونکر اپنی خلات وضع اختیار کریں اور وہ اختیار بھی نہیں کر سکتے مجبور ہیں *

چہارم۔ باہمی ارتباط اور اتحاد اور ملاقات اور معاشرت میں جو برائیاں تھیں اُن کو بتایا اور سمجھایا کہ سچی محبت اور موانست بھی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک آپس میں ہمسری اور آزادی نہ ہو۔ پھر طریقہ آزاد خیالات بنانے کا بتلایا۔ اور عوام الناس میں اُس قوت کے پیدا کرنیکی تدبیریں بتائیں کہ جس سے وہ عمدہ کاموں کی قدر کر سکیں اور وہ دل اُس نے پیدا کر دیئے کہ جن کو قومی اتحاد کا شوق اور ترقی کا دورہ زمانہ حال کے موافق دانگیہر ہور مولوی ممدی علی اور مولوی فرید الدین اور مولوی سمیع اللہ خاں کو جو پہلے جانتے تھے اور اب جانتے ہیں میرے قول کی تصدیق کریں گے) اس کے سوا جو اُس نے بڑا کام کیا وہ یہ ہے کہ اہل اسلام کا جو طریقہ حکام کے ساتھ ملنے جلنے کا منافقانہ تھا اُس کی نیخ کنی میں جہاں تک ممکن تھا کوشش کی۔ قاعدہ ہے کہ جب ایک قوم دوسری قوم کی محکوم ہو جاتی ہے تو محکوم قوم کی عزت اور آبرو اُسی قدر بڑھتی جاتی ہے جس قدر کہ وہ شایستگی میں علم و فضل و لیاقت میں حاکم قوم کے ساتھ مماثلت اور متشابہت پیدا کرتا ہے اور اتنی ہی ذلت بڑھتی جاتی ہے جتنی کہ وہ مبہانت کرتا ہے۔ مسلمانوں نے کایتوں کی کیوں قدر کی؟ اسی سبب سے پس مسلمان جس قدر کہ ان باتوں میں انگریزوں کی تقلید کرینگے اُسی قدر عزت اور آبرو حاصل کریں گے کیونکہ تقلید ایک سچی خوشامد ہوتی ہے جو سب کو پسند آتی ہے۔ اور جتنا حاکموں سے منافقانہ برتاؤ کریں گے اور اُن کی سی لیاقت نہ پیدا کریں گے اپنی عزت کھوین گے اور خاک مذلت پر لوٹیں گے اور دین و دنیا کو دونوں رو بیٹھیں گے۔ جب اہل اسلام کے دو فقرے

حاکموں کے کانوں تک پہنچتے ہیں۔ کہ کافروں کے ساتھ موالات لسانی چاہئے اور موالات قلبی نہیں چاہئے تو ان کو یقین ہو جاتا ہے۔ کہ کوئی سچا مسلمان ہمارا ہوا خواہ نہیں ہو سکتا ہے۔ پس جب حاکم کا یہ خیال محکوم کی نسبت ہو تو کیسا اُس کے حق میں مضر ہے۔ مگر الحمد للہ کہ سید احمد خاں کی تحریروں نے بہت سے مسلمانوں کے دل سے ان نفاق آمیز باتوں کو دھکیا اور حکام کو بھی سمجھایا کہ یہ نفاق مذہب اسلام میں داخل نہیں ہے۔

پنجم۔ اُس نے تمام زمانہ گذشتہ کی سرگزشتوں کو خوب دکھلایا اور حال کی حالت بد کو بتلا کر شرمندہ کیا اور استقبال کی بہبودی و بہتری سٹل نہ جان کو تقویت دی۔ اُس نے تمام اہل اسلام کی برائیوں کو نہایت سچی محبت اور دلسوزی اور پیار سے بیان کر دیا اور سمجھا دیا کہ جو محب اسلام اپنی محبت قلبی کے سبب سے عیوب اہل اسلام کو چھپاتے ہیں اور نظام کر نیوالوں سے ہشت مشت کرنے کو تیار ہوتے ہیں وہ ایسے ختم کو نہاں کرتے ہیں کہ جو آئندہ ناسور بن جائیگا۔ اور خاک میں پنہاں کر دیگا یہ محبت ایسی نادان ماؤں کی ہے کہ جو اپنے بچوں کی برائیاں چھپا چھپا کر اُن کو بد معاش بنا دیا کرتی ہیں اور پھر آپ ہی روتی ہیں غرض کہ اُس نے سب امراض اہل اسلام اور اُن کے علاج حکیمانہ بتلادیئے۔

ششم۔ جب تہذیب قومی کے مضامین لکھے ناگزیر مسائل مذہبی کی بحث اُن پڑی اور مجبوری اُن گریز نہ ہو سکی۔ ان بحثوں کو اُس نے نہایت خوبی اور بروباری اور عجیب و غریب مذاق سے نبایا۔ جو بحث کہ طوالت کے سبب بے لطف ہونے لگی اُسے چھوڑ دیا۔

ہفتم۔ شایعہ اور مذہب قوموں میں بعض اکابر علماء اور حکماء کی خواہ تھکے سبب یا غلطی رائے کے سبب یہ رائے ہے کہ اسلام ایسا مذہب ہے کہ اہل اسلام میں اُس کے سبب اعلیٰ درجہ کی شائستگی پیدا ہو سکتی تھی۔ پھر جس جو انمردی اور عمدہ دلائل سے اس نے ان بڑے بڑے لایق آدمیوں کی دلیلوں کو رد کیا ہے اُس کی تعریف میں نہیں کر سکتا۔

ہشتم۔ مسلمانوں کی بڑی بڑی نصیبی اور کجنتی تھی کہ اُن کے دلوں میں انگریزی زبان اور علم کی تحصیل سے وحشت ایسی بیٹھ گئی تھی کہ وہ کوسوں اُن سے بھاگتے تھے اپنے علوم اور زبان کی تعصب کی جڑیں ایسی مضبوطی سے اُن کے ذہنوں میں پھیل گئی تھیں کہ اُن کا اکھڑنا آسان کام نہ تھا مگر الحمد للہ کہ اس کام میں یہ رچہ ایسا کامیاب ہوا کہ کسی اور کام میں نہیں ہوا اُس نے پشاور سے لیکر راس کمری تک سارے ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں سے اس وحشت اور تعصب کا بالکل استیصال کر دیا۔

پس اب میں اس امر پر اپنے مضمون کا خاتمہ کرتا ہوں کہ یہ ایک مخزن اور ذخیرہ اردو زبان کے

علم ادب میں ایسا ہے کہ اُس کے مضامین قسم وارجدا جدا ہو کر چھاپے جائیں اور تمام ہندوستان کے درس اور تدریس میں جاری ہوں اور اُن مضامین کو قسم وارجدا تقسیم کر نیوالا اپنے اوپر یہ امر واجب اور فرض جانے کہ ایک دیباچہ ان مضامین کے اول لکھے جس میں وہ یہ بات ثابت کرے کہ یہ اصفاں بانی تہذیب الاخلاق مذہب اسلام ہیں مجتہد اور امام ہے اور دنیا کے کاموں میں دانشمند اور فرزانه دور اندیش ہے علم حکمت میں حکیم ہے علم اخلاق میں مورِ میسٹ د علم اخلاق کا جاننے والا ہے اور قدرتی علوم میں سچ پلسٹ د عالم علم قدرت ہے زبان دانی میں ایک نئی اُردو کا موجد ہے اس کی طرز تحریر جدید ہے اخلاق میں خوش طبعی اور خوش طبعی میں اخلاق اس طرح سے ملایا ہے کہ ایک گنوار سے لیکر عالم تک اُس سے لطف اٹھاتا ہے۔ زبان کی وسعت دینے کے طریقے ایسے جانتا ہے کہ آج تک کوئی اُس کے برابر نہیں ہوا۔ میر مومن ایک کہانی اور سودا اور میر قصایدا اور ثنویاں لکھ گئے اگر اس میدان میں اُن کو کھڑے ہوتے تو ضرور سید کے قدموں پر گرتے جس خوبصورتی سے انگریزی الفاظ کو اردو زبان میں ملایا ہے اُس سے زبان کو مرصع بنا دیا ہے۔ یہ سارا مجموعہ اردو زبان کا شکسید اور میگوں کے ایس سے اُس نے بنا دیا ہے۔ اُن سے دین و دنیا دونوں کا فائدہ اٹھ سکتا ہے۔ روزمرہ کی گفتگو جو بُرے کلمات اور بد محاورات اور ناپاک قسموں اور بُرے کوسنوں سے بھرے ہوئی تھی اُس کو درست کرتا ہے جن تعصبات اور خیالات بد کی خاک سے ہمارے دلوں کے چشمے اُتے پڑے ہیں اُن کو نوک کاری کے پانی سے صاف کرتا ہے۔ اب خدا سے دعا ہے کہ جس مہربان قیل و کبیر نے ہمارے لئے یہ سب کچھ کیا ہے دنیا میں خوش حال رہے اور جنت تک اُس کی ساری دلی تمنائیں پوری ہوں ہمارے سر پر زندہ رہے اور ہم کو بھی توفیق دے او دل و دماغ کو ایسا بناوے کہ جو کچھ وہ ہماری دنیا و عقبے کے لئے کرے اُس کو ویسا ہی سمجھیں۔ جیسا کہ ہم کو سمجھنا چاہئے۔

آمین ثم آمین

حسب ضابطہ جسطری شدہ ہے

الخطبات الاحمدیہ فی العرب السیرۃ المحمدیہ

اس کتاب میں ایک نیا چارہ بخشنا ہے جو شمال میں پیدا ہو چکا ہے، مذہب کیا چیز ہے؟ سچے مذہب کے رکھنے کا سچا اصول کیا ہے؟ اسلام صحیح طور پر کن احکام کا مجموعہ ہے؟ ان کتابوں پر بحث جو مسلمان اور عیسائیوں کے مابین آج کے حالات پر لکھی ہیں، سر پرلیمو کی کتاب "الفاتحہ محمد کا ذکر" کو جو اس میں کتاب لکھی گئی ہے، خطبہ اول عرب کا جزا ہے، عرب کے قبائل اور سلاطین پر عقائد بحث، لفظ اسلام کی تحقیق، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے حالات پر عقائد بحثیں، حضرت یحییٰ اور حضرت یونس کی حیرت پر بحث، خطبہ دوم عرب کی اہمیت کی سوشل عادت، اہل بیت کی سوشل عادت اور ان کا ذکر، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے حالات پر بحث، خطبہ سوم عرب کی اہمیت کی سوشل عادت، اہل بیت کی سوشل عادت اور ان کا ذکر، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے حالات پر بحث، خطبہ چارم اسلام انسان کیلئے رحمت اور تمام دنیا کے لیے سب کی پشت پناہ ہے، اسلام انسانی تمدن کے سوانح، کثرت ازواج، احاطہ اور عالمی پر عقائد بحثیں، یونوں اور حبشیوں کے مذہب، اسلام کی فائدہ پہنچا، خطبہ پنجم مسلمانوں کی مذہبی کتابوں پر عقائد بحث، خطبہ ششم نبی و ایتوں کے معجز اور غیر معجزہ پر بحث، خطبہ ہفتم قرآن مجید کی معجزہ و ترتیب، نزول پر بحثیں، خطبہ ہشتم غار کعبہ کی تفصیل تاریخ و خطبہ نهم حضرت محمد کے نسب پر عقائد بحث، شجرہ نسب حضرت محمد، نسب مصطفیٰ کتاب، خطبہ دہم اشارات نسبت حضرت محمد کے جو ازبیت میں ہیں، خطبہ یازدہم و اشراق صدق و سراج کی تحقیق، خطبہ بارہم و ازبیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت، بارہم و سوانح کے حالات، اس کتاب کے شروع میں حرم سید کی تاریخ، غرضی، خطبہ اول علیہ السلام کے خطبہ طبعی کی تصدیق، خطبہ مباحثہ

احکام طعام اہل کتاب

مسلمانوں کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ساتھ کھانا کھانے کے واسطے اسلامی احکام اس میں سید مرتضیٰ حجت النبیات معتبر احادیث اور قرآن پاک کی آیات جمع کر کے اس پر بحث کی ہے نہایت خوبی سے اس کتاب کو ثابت کیا ہے کہ قرآن پاک اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اس معاملہ میں کیا تعلیم دی ہے، قیمت ... ۵۰

سیرت کے آخری مضامین

یہ کتاب تھوڑے وقت میں مضامین ہیں جو سیرت میں نے از ابتدا کے نشوونما و فیصلہ ۱۳۳۵ھ تک لکھے، آخر میں لکھنے کے بعد ہی سیرت میں نے غارت کر کے اپنے ملک تحقیقی کی طرف تشریف لے گئے، راقم نے اس خیال سے کہ یہ سیرت بہت ضائع نہ ہو، اس میں تالیف اور تصحیح کے طبع کر کے مضامین میں جمع کر کے نامی پر معنون کر کے جسکو واسطے وہ جگہ گوشہ قبول ثل سول محمد صریح طور پر کوششیں کرنا ہوا، وطن بیوٹن ہو، خوش و یگانہ بنے بیگانے کا ہفتہ فراموشی، سختیاں سننا، جیسے بول سنا، کبھی سو دانی کبھی محضوں، پر حرف شکایت، لب لبت لایا، کہا تو یہی کتاب، ادنیٰ اھل قوی اھل کھلم کھلا عیالوں، قوم کی یاد میں جیہ، قوم کی دھن میں مرا، اور جیہ فی کشف بین فانی، القوم کے لیے کچھ نہ چاہا، اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ قوم اس غم کی کمان تک نہ کرتی ہے، قیمت ... ۵۰

ترقیم فی قصہ اصحاب الکف و الرقیم

اس سالہ میں اصحاب الکف کے قصہ پر جو قرآن مجید میں ہے نہایت تاملات اور سخیل کے سے عقائد بحث کی گئی ہے، قیمت ... ۵۰

الدعاء والاستجابه

اس سالہ میں دعا اور اس کے مقبول ہونے کی حقیقت بیان کی گئی ہے، اور قرآن شریف کے تمام عائلین کو جامع کر دینی ہیں، اور نہایت عقائد بحث ہے، قیمت ... ۵۰

لکچر اسلام

سید محمد خاں صاحب لکچر عقاید اسلام کی نسبت، قیمت ... ۱۰

اسباب بغاوت ہند

خدا شہداء کے متعلق سید محمد خاں صاحب کی پہلی تصنیف، قیمت ... ۵۰

ازالہ الغیبن عن فکر ذوالقینین

سکندر ذوالقینین کے حالات کے متعلق ادیب حاجی مہاجر اور سید حاجی مہاجر اور کمال اور عالیہ الہامی، ذکر تاریخ چین، جمہور کرنا اور بنائے دیوار وغیرہ وغیرہ متعلق ہے، اصحاب حاجی صاحب قرآن پر مضمون لکھنا نہایت ہی اہلی حالات لکھے ہیں اس کتاب کے متن میں آیات قرآنی اور ترجمہ جمع از واد مصنف کے مطالعہ ہر فرد بشر کے لئے ضروری ہے، قیمت ... ۵۰

خلق الانسان

نئے فلسفہ و افکار انسان کی پیدائش کے متعلق اہل فکر کی نئی تحقیقات ثابت ہیں کہ انسان کی طرح پیدا ہوتا ہے، لیکن آج کے تیرہ سو برس پہلے مسلمانوں کی پاک کتاب اس بات کو دنیا پر روشن کر چکی ہے، اسی مضمون کو ترجمہ قرآن کی لکچر نہایت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور نئے فلسفہ و افکار کا حربہ جواب دیا ہے، مطالعہ ہر فرد بشر کے لئے ضروری ہے، قیمت ... ۵۰

النظر فی بعض مسائل الامام الہام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ

اس میں آٹھ مسئلے شامل ہیں جن میں امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مضامین پر عقائد بحث کی گئی ہے جو ان کی کتابوں "المعتون علی غیالہم"، "التقدم والافتاد"، "الاعتقاد والفرقہ بین الاسلام والزندقہ"، "وہو سے لے گئے ہیں، پہلے سال میں اس کی ات پر بحث ہے، دوسرے سال میں امام صاحب کی "ارادات قبیہ" کا بیان پر تیس سال میں فلسفہ و انقسام اور ان کے علوم پر بحث کی گئی ہے، چوتھے سال میں لوح کی حقیقت پر بحث ہے، پانچویں سال میں لوح و قلم کے مضمون کی بیان ہے، چھٹے سال میں لوح کے مضمون پر بحث ہے، ساتویں سال میں ملاحر جن اور شیا میں کی حقیقت پر بحث ہے، آٹھویں سال میں امام صاحب کے رسالہ "الفرقہ بین الاسلام والزندقہ" پر بحث ہے، جس میں اس امر پر بحث کی گئی ہے کہ کن باتوں سے کفر ہو سکتا ہے اور کن باتوں سے نہیں، قیمت ... ۵۰

فضائل الامام من سائل حجة الاسلام

تحریر فی اصول التفسیر

تہذیب الاخلاق جلد دوم

تہذیب الاخلاق جلد اول

تہذیب الاخلاق جلد سوم

تہذیب الاخلاق جلد چہارم

ملک فضل الدین ملک حسین ملک تاج الدین حکیم نئی تاجران کتب منزل نقشبندیہ کوٹلیا سید
بازار شری

